وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا ٱلۡقُرۡءَانَ لِلذِّكۡرِ فَهَلۡ مِن مُّدَّكِرٖ (القرآن)

اورہم نے قرآن کوسمجھنے کے لیے آسان کردیاہےتوکوئی ہے کہ سوچے،سمجھے!

جلد 10	شمارہ 04	رجب 1437ھ	اپریل 2016ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرِتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400روپے، قیمت فی شمارہ 40روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات		3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات	سورۃ اللیل	5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	تحریکی لٹریچر، درپیش علمی معرکہ	سیّد سعادت اللہ حسینی	14
5	مقدمہ سیرۃ امام المرسلین ﷺ سلسلہ وار 3	ساجد محمود مسلم	33
6	قانون توہین رسالت کے خلاف سازشیں	محمد فہیم	44
7	مسلمانوں کے مسالک کے مابین ہم آہنگی ماضی قریب کی دو چشم کشا مثالیں	انجینئر مختار فاروقی	48
8	معاشی دہشت گردی۔ ریاستی گدھ	محمد منظور انور	52
9	اہلِ علم کے تاثرات کے خطوط		58

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورة اللیل آیات 21 ، رکوع 1

اس سورۂ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ جس طرح رات دن سے (ایک ہی طرح کے ظروف واحوال کے باوصف) اور نر مادہ سے (ایک ہی جنس یعنی SPECIES کے باوجود) مختلف ہے اسی طرح تمام انسانوں کی کوششیں اور اعمال بھی (انسانیت کے اشتراک کے باوصف) مختلف ہیں اور یقیناً ان کے ثمرات بھی مختلف ہوں گے۔لٰہذا دنیا میں جو انسان سچے دل سے ایمان وطاعت کی راہ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے اِس سیدھے راستے کو آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کفر ومعصیت کی راہ اختیار کرتا ہے اُس کے لیے یہ مشکل راستہ آسان ہو جاتا ہے۔پھر دنیا میں جیسی راہ کوئی شخص اختیار کرتا ہے آخرت میں ویسا ہے ثمرہ اس کو ملے گا۔اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور کتاب کے ذریعے راہِ ہدایت بتلا دی ہے اور دنیا میں احکام مقرر کرنے اور آخرت میں مخالفت وموافقت پر جزا وسزا کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

پھر سورۃ کے آخر میں اس سزا وجزا کا بیان ہے۔

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

وَ الَّیلِ اِذَا یَغشٰی O وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی O

رات کی قسم جب وہ (دن کو) چھپا لے اور دن کی قسم جب چمک اُٹھے

وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الاُنثٰیٓ Oاِنَّ سَعیَکُم لَشَتّٰی O

اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کیے

کہ تم لوگوں کی مساعی بھی طرح طرح کی ہیں

فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰیO وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰیOفَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی O

تو جس نے (اللّٰہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیز گاری کی اور نیک بات کو سچ جانا

اس کو ہم آسان راستے کی طرف توفیق دیں گے

وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰیO وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰیOفَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی O

اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا

اسے (مشکل راستے پر چلا کر) سختی میں پہنچائیں گے

وَ مَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی O

اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا

اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی O وَ اِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَالۡاُوۡلٰی O

ہمیں تو راہ دکھا دینا ہے اور آخرت اور دنیا ہماری ہی چیزیں ہیں

فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی O

سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا

لَا یَصۡلٰىہَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی O الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی O

اس میں وہی داخل ہوگا جو بڑا بد بخت ہے جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا

وَ سَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَیO الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی O

اور خوب پرہیز گار کو (اس آگ سے) بچا لیا جائے گا۔ جو مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی O

اور اس لیے نہیں دیتا کہ اس پر کسی کا احسان ہے جس کا وہ بدلہ اُتارتا ہے

اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰیO وَلَسَوۡفَ یَرۡضٰی O

بلکہ اپنے ’الاعلیٰ‘ ربّ کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے دیتا ہے

اور (وہ رب اسے اتنا دے گا کہ) وہ عنقریب (اس حساب کی گھڑی) خوش ہو جائے گا

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

اِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰہِ تَعَالٰی، مَا یَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، یَکْتُبُ اللّٰہُ تَعَالٰی لَہٗ بِھَا رِضْوَانَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ، وَاِنَّ الرَّجُلَ لَیَتَکَلَّمُ بِالْکَلِمَۃِ مِنْ سَخَطِ اللّٰہِ تَعَالٰی مَا یَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ، یَکْتُبُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِھَا عَلَیْہِ سَخَطَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ

(مسند احمد، عن بلال بن الحارث المزنی رضی اللہ عنہ)

بے شک آدمی کبھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی ایسی بات کہتا ہے کہ اُس کو گمان بھی نہیں ہوتا کہ یہ اتنے مرتبے تک پہنچے گی، اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ اُس کے لیے قیامت تک اپنی رضا لکھ دیتا ہے اور بے شک آدمی کبھی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی ایسی بات کہتا ہے کہ اسے گمان نہیں ہوتا کہ اس کا وبال اتنا زیادہ سخت ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت تک اپنی ناراضی لکھ دیتا ہے۔

الجامع الصغیر فی احادیث البشیر والنذیر للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ

FORCES OF GOOD &
FORCES OF EVIL.

انجینئر مختار فاروقی

1۔ آج دنیا میں ہر طرف بدامنی، قتل و غارت، خونِ مسلم کی ارزانی اور انسان دشمن، وحی دشمن، اَخلاق دشمن یعنی ابلیسی قوتوں کا راج ہے جبکہ 'خیر' کی قوتیں منتشر، DEFENSIVE اور مغربی جبر واستبداد کے خونیں پنجوں میں بقا کی جنگ لڑ رہی ہیں۔

2۔ خیر و شر کی یہ جنگ اس کرۂ ارضی کے باسیوں اور اولادِ آدم کے لیے نئی اصطلاح نہیں ہے بلکہ ہر معقول انسان اس خیر و شر کا 'فاعل' ہونے کی بنا پر اس اصطلاح کے تمام پہلوؤں کو خوب سمجھتا ہے۔ تاریخ کے اوراق نے اس جنگ کے کئی ابواب کو محفوظ کیا ہے اور آسمانی کتابوں میں بھی ایسے کئی کردار ایک استعارہ کے طور پر سامنے لائے گئے ہیں۔ 'فرعون' کا لفظ اپنے پورے کردار سمیت آج بھی موجود ہے، ہامان، قارون، آذر، سیّدنا ابراہیم علیہ السلام، سیّدنا موسیٰ علیہ السلام، سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار بھی انسانیت کے اجتماعی ضمیر سے ابھی محو نہیں ہو پائے اور نہ رہتی دنیا تک محو ہو پائیں گے۔

3۔ ایک طرف نیکی کی قوتیں ہیں اور دوسری طرف شر کی قوتیں۔ انہی دو قوتوں کے درمیان جنگ کا سلسلہ اس روئے ارضی پر ہبوطِ آدم علیہ السلام کے وقت سے جاری ہے۔ یہ معرکہ انسان کے باطن میں جاری ہے جسے معرکہ 'روح و بدن' کہا گیا ہے اور صحراؤں، جنگلوں، غاروں، آبادیوں، شہروں پہاڑوں میں بھی یہی جنگ جاری ہے۔ یہی حق و باطل کی جنگ ہے اس جنگ

میں بارہا حددرجہ کی شدت بھی آئی ہے اور دو دفعہ تو یہ جنگ عالمی سطح پر آ گئی اور ورلڈوار I (1914ء-1918ء) اور ورلڈوار II (1939ء-1941ء) کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

قارئین کرام!ـــــ غور فرمائیں کہ اگر اس زمین و آسمان کی وسعتوں میں اللہ وہی ہے، انسان وہی ہے، خیر و شر کے نمائندے وہی ہیں تو پھر گزشتہ صدی میں ایٹمی ہتھیاروں کی فراہمی اور ان کی بے پناہ ذخیراندوزی کے نتیجے میں ایک ایسی ـــــ ہولناک تیسری ورلڈ وار کا وقوع پذیر ہونا ایک شدنی امر ہے۔ جس سے کبوتر کی طرح بلّی کو دیکھ کر آنکھیں بند کر کے حقائق کو جھٹلانے کی سعی ناکام تو کی جاسکتی ہے تباہی سے نہیں بچا جاسکتا۔

4۔ خیر و شر کی اس جاری جنگ میں ایک پہلو اور بھی ہے جو ہمارے اکثر تجزیہ نگار نظرانداز کر دیتے ہیں کہ اہل شر اور شر کے سرپرست طبقات اپنے میں سے ایک حصہ کو باطل کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں پھر اپنی چالوں اور مہارت سے اس مخصوص طبقے کو اہل حق کی قیادتوں میں جگہ دلاتے ہیں۔ اندرونِ خانہ کے راز ابلیسی قوتوں کو پہنچاتے ہیں اہل حق کو کمزور کرتے ہیں مگر ظاہراً اہل حق ہی کا ہمدرد، چارہ گر، خیرخواہ اور فدائی و جانثار ظاہر کرتے ہیں۔ مصر میں الاخوان المسلمون کے بارے میں کرنل ناصر صاحب کا کردار یہی تھا۔ مشرقِ وسطیٰ میں کرنل لارنس کا کردار یہی تھا وغیرہ وغیرہ۔

یوں اس جنگ کے نقشے میں دونوں طرف کی قیادت میں ایک ہی طبقہ مؤثر نظر آتا ہے اور مخلص اہل حق اپنے اندر کے ان 'شریر' مہروں کی کاسہ لیسی اور منافقت کے منفی اثرات کو برداشت کرنے پر مجبور کر دیے جاتے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم میں دو فریق تھے: برطانیہ اور سلطنت عثمانیہ۔ ترکوں کو جرمن کے ساتھ شامل کر کے اور جرمنی کو شکست سے دوچار کرادیا نتیجتاً ترکی بھی شکست خورہ ہو گیا اور جرمنی کو تو تھوڑی سزا ملی کہ وہ یورپی بھائی تھا، عظیم سلطنت عثمانیہ (جو مسلم قوت اور 'خیر' کی طاقت تھی) کو بندر بانٹ کر کے حصے بخرے کر دیے گئے اور مسلم قوت کو منتشر کر دیا گیا۔ دوسری جنگ عظیم میں بھی یہی کچھ ہوا۔

قارئین کرام!ـــــ یہی کھیل آج بھی جاری ہے اور آئندہ متوقع عظیم تیسری جنگ

تک جاری رہے گا جب یہ مغربی ابلیسی طاقتیں زوال پذیر ہوں گی۔اس ’متوقع تیسری جنگ‘ سے متعلق راقم اپنے کسی خواب کا ذکر نہیں کر رہا بلکہ عالم اسباب میں اہل شر اور آج کی بالا دست ابلیسی قوتوں نے اس جنگ اور اس کے فریقین کو PLAN کر رکھا ہے اور باقاعدہ منصوبہ بندی کر رکھی ہے اور اس منصوبہ بندی کے تحت کئی صدیوں سے کام جاری ہے جنگ عظیم اوّل اور جنگ عظیم دوم اسی منصوبہ کی ابتدائی قسطیں تھیں۔

5۔ یورپی لٹریچر اور یہودی اور عیسائی مذہبی کتابوں میں ایک اصطلاح صدیوں سے موجود ہے اور اس کا نام 'ARMEGADDON' ہے اردو اور عربی میں اس کو ’ہرمجدون‘ لکھ دیتے ہیں۔اس کا مفہوم کیا ہے یہ یورپی اور مغربی ذہن کے مطابق ہی سمجھنا ضروری ہے۔انگریزی کی ڈکشنری کھولیں تو اس لفظ کی وضاحت کچھ بنتی ہے (کمپیوٹر پر بھی اس کو دیکھا جاسکتا ہے)

The place where the final battle will be fought between the forces of good and evil (probably so called in reference to the battlefield of Megiddo. Rev. 16:16).

گویا مغربی مذہبی تعلیمات اور روایات کے مطابق یہ جنگ ’خیر‘ اور ’شر‘ کی قوتوں کے درمیان تاریخ کی سب سے بڑی اور آخری جنگ ہوگی۔

6۔ مغرب نے اس آسمانی وحی کو ایک حقیقت سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو حق کے پلڑے میں ڈالنے کی بجائے خود ’شر‘ کے پلڑے میں بیٹھ کر ’اہل حق‘ کو کمزور کرنے اور ’تنہا‘ کرنے کی پالیسی پر عمل کر کے اُن میں اپنے نمائندے اور ٹاؤٹ داخل کر دیے ہیں تا کہ ’اہل حق‘ کمزور تو ہیں ہی وہ اپنے پاؤں پر کبھی کھڑے نہ ہوسکیں۔

آج دنیا میں ’مسلمان‘ نام کے لوگ 160 کروڑ کے قریب ہیں اور 60 مسلم ممالک آزاد ہیں ان ممالک کے پاس وسائل بھی بے پناہ ہیں مگر ان مسلم ممالک کے حکمران ابلیسی قوتوں کے پروردہ، زیراثر اور ان کے ذہنی غلام ہیں۔جمہوریت کے نظام کے تحت بددیانتی سے یہی حکمران دوبارہ آجاتے ہیں جبکہ نام ’عوامی‘ ووٹ اور پرچی کا ہوتا ہے حقیقتاً ان حکمرانوں کا فیصلہ کسی ملک کے اندر ہونے والے الیکشن سے کہیں پہلے یہ ابلیسی قوتیں اپنے مغربی ایوانوں اور UNO میں کہیں بیٹھ کر کر لیتی ہیں اور سازشوں کے ذریعے پھر اپنے مقاصد کو حاصل کرتی ہیں۔

7۔ آج کی یہ خیر وشر کی جنگ دراصل ابلیسی مغربی قوتوں اور انہیں قوتوں کے مہرے یعنی 'مسلم ممالک کے حکمرانوں' کے درمیان ہے جس میں وہ پسند کے نتائج حاصل کرتے ہیں اصلاحات کراتے ہیں اور قوانین بنواتے ہیں۔ان مہروں کے ذریعے مغربی آقا تجارت کرتے ہیں، ملک کو عالمی مالیاتی اداروں کے پاس گروی رکھتے ہیں، قرضے لیتے ہیں اور وہ خود کھاجاتے ہیں۔یہ جنگ کئی محاذوں پر جاری ہے،قرضوں کی جنگ،تعلیمی اصلاحات کی جنگ،نصابِ تعلیم کی جنگ،حقوقِ نسواں کے نام پر UNO کے ایجنڈے کی تکمیل کی جنگ،عدالتی طریق کار کی اصلاح کی جنگ، سیاسی رہنماؤں کی ذہن سازی (BRAIN WASHING) کی جنگ، مغربی وفاداروں کو عدالتی سزاؤں سے بچاؤ کی جنگ،مصنوعی طور پر بیماریوں کے جراثیم (ازقسم ڈینگی بخاروغیرہ) پھیلا کرمحکوم قوموں کی صحت سے جنگ،مصنوعی بارشوں کے ذریعے محکوم اقوام کی زرعی پیداوار اور موسموں سے جنگ، الغرض کیمیکل وار، بیالوجیکل وار، گہرے سمندروں میں ایٹمی دھماکے کرکے قریبی ملکوں میں قیامت خیز سیلاب (سونامی) لانے کی جنگ،اولمپک گیمز بالخصوص کرکٹ کے میچ اور اس میں عورتوں کی ٹیموں کی حوصلہ افزائی اور فرضی کامیابیاں وغیرہ وغیرہ۔

8۔ جدید دور کی جنگ کے محاذوں میں ایک محاذ NGO's کا محاذ ہے۔مقامی دانشوروں، اہل علم،مزدور رہنماؤں ، سیاستدانوں اور طلباء تنظیموں کے عہدیداروں کو فرضی رفاہی ادارے بنانے اور چلانے کے لیے رقوم فراہم کی جاتی ہیں اور وہ مقامی سطح پر مغربی ایجنڈے کو پھیلاتے ہیں۔بے حیائی کی تشہیر، دین کے خلاف پروپیگنڈا، بے راہ روی کا ماحول پیدا کرنا، انٹرنیٹ کیفے، اور WOMEN LIB (یعنی عورتوں کو خاندانی تحفظ سے نکال کر بازاری عورت یا خود کفیل بنانے کا لالچ دے کر گھریلو زندگی سے متنفّر کرنا ہے) کے لئے ذہن سازی وغیرہ وغیرہ۔

9۔ اس جنگ کا ایک محاذ دہشت گرد تنظیمیں کھڑی کرنا،انہیں پالنا،فنڈز مہیا کرنا، اسلحہ فراہم کرنا، دھماکے کرانا، ہوٹلوں ، اسکولوں ،تھیٹرز وغیرہ کی جگہوں پر خودکش حملوں کے ذریعے تباہی پھیلانا وغیرہ وغیرہ ہے۔اس میں کوشش کی جاتی ہے کہ استعمال ہونے والے لوگ مسلمان ہوں، داڑھی والے ہوں، باپردہ اور شرعی حجاب (یا سکارف والی) عورتیں ہوں تاکہ اس کے نتیجے میں اسلام اور پیغمبر اسلام حضرت محمدﷺ کو بدنام کیا جاسکے۔حیرت ہے کہ دہشت گرد تباہی

پھیلا کر فون کر کے اس کی ذمہ داری قبول کر لیتے ہیں تا کہ ذہن کسی حقیقی دہشت گرد نہ جائے اور متعلق فون نمبر سے پکڑنے کی کوشش بھی نہیں کی جاتی۔

اس محاذ جنگ میں یہ بھی شامل ہے کہ اس مقصد کے لیے دھوکہ دہی سے بھرتی کئے گئے لوگوں کو پہلے مذہبی مقامات، شخصیات اور مدارس میں گھما پھرا کران کی تصویریں رابطے نمبرز وغیرہ ریکارڈ کئے جاتے ہیں تا کہ کسی کارروائی کے بعد ان مدارس کے اساتذہ یا مذہبی شخصیات پر کیچڑ اچھالا جا سکے یا میڈیا میں بدنام کر کے عوام کو اسلام سے متنفر کیا جا سکے۔

10۔ اس جنگ کا نمایاں محاذ میڈیا اور بالخصوص الیکٹرانک میڈیا ہے یعنی ٹاک شوز، مکالمے، ڈرامے، تقاریر، تبصرے وغیرہ کے ذریعے میڈیا کے ان SPONSERED لوگوں کے ہاتھوں اسلام، مذہبی طبقات یعنی مدارس اور ان کے طلبہ اور بالخصوص، ڈاڑھی، نماز، پگڑی حتیٰ کہ سکارف، پردہ اور مسلم لباس بھی ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے اور اس کا تعلق بھی نام نہاد دہشت گردی سے جوڑ دیا جاتا ہے۔

11۔ اس جنگ کے محاذوں میں ایک اہم محاذ جو بالعموم نظروں میں نہیں آتا ہے وہ مغربی طاقتوں کی اسلام اور مذہبی ذہن رکھنے والے سرگرم مسلمانوں کی نگرانی ہے اور فنڈز خرچ کر کے ان اسلامی شخصیات کے قریب رہنا ہے۔ آج کے دور کی کیا مثال دی جائے، آج سے 80 سال قبل کی مثال سامنے رکھتے ہیں جس سے مغربی ابلیسی قوتوں کا طریقۂ واردات اور انداز جنگ کا نقشہ سامنے آجائے گا جس سے موجودہ حالات پر اور آج کی شخصیات پر قارئین خود قیاس کر کے نتیجہ نکال سکیں گے۔

1936ء کی بات ہے علامہ اقبال کی شخصیت سے کون مسلمان واقف نہیں ان کی شاعری نے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں میں آزادی اور احیائے خلافت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگانے کے جذبات ابھار دیے تھے۔ وہ چاہتے بھی تھے کہ آگے بڑھ کر کام کیا جائے۔ انہوں نے اس سلسلے میں کئی کوششیں بھی کیں جو ناکام ہوئیں ان میں ایک کوشش کی روداد (1936ء کے زمانے کے علی گڑھ یونیورسٹی کے ایک طالب علم اور بعد کے مشہور سکالر) ڈاکٹر برہان الدین فاروقی صاحب نے بیان کی ہے (ڈاکٹر برہان الدین فاروقی مشہور ماہر تعلیم، فلسفی اور نامور

اساتذہ میں سے تھے ڈاکٹر طاہر القادری ان کے شاگردوں میں سے ہیں) بقول ڈاکٹر برہان فاروقی صاحب

''یوں ایک اصولی اسلام جماعت کے قیام کی یہ نہایت وقیع اور قابل قدر کوشش تشکیل و تاسیسِ جماعت کے ابتدائی مراحل کامیابی کے ساتھ طے کرنے کے بعد میدانِ عمل میں باقاعدہ قدم رکھنے سے قبل ہی حسرت ناک انجام سے دوچار ہوگئی۔اس میں جہاں علامہ اقبال کے ''معتقدین'' کی کم ہمتی اور کم کوشی کو یقینی طور پر دخل تھا وہاں زیادہ قرین قیاس بات وہ ہے جو آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس کے ڈائریکٹر چودھری مظفر حسین صاحب نے ڈاکٹر برہان احمد فاروقی صاحب کی زیرنظر کتاب کے پیش لفظ میں بیان کی ہے، یعنی یہ کہ علامہ کی اس کوشش کے باوصف کہ وہ اس منصوبے کو پردۂ خفا میں رکھنا چاہتے تھے، برطانوی حکومت کی طرف سے حضرت علامہ اوران کی سرگرمیوں کی نگرانی پر مامور افراد کو چونکہ اس منصوبے کا علم ہوگیا تھا لہٰذا یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ چودھری صاحب لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کے اس مقالہ میں اس امر پر روشنی نہیں ڈالی گئی کہ یہ منصوبہ یکا یک کیوں ترک کردیا گیا لیکن انھوں نے اس بات کی طرف اشارہ کردیا ہے کہ اس طرح کے کاموں میں برطانوی استعمار کی طرف سے جو موانع پیدا کیے جارہے تھے ان کے پیش نظر یہ منصوبہ بہت احتیاط اور رازداری کا تقاضا کرتا تھا، مگر علامہ اقبال کے وہ ''فدائین'' جو حکومت کی طرف سے ''علامہ اقبال کی نگرانی پر مامور تھے'' اس منصوبے سے واقف ہوگئے، اس لیے یہ منصوبہ ترک کرنا پڑا۔ خواجہ عبدالوحید کی تحریر سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے ''معتقدین اقبال'' ہی اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے کو تیار نہیں تھے۔'' (بحوالہ: علامہ اقبال کی آخری خواہش، ص ۳۷، مؤلف حافظ عاکف سعید)

قارئین کرام! ابلیسی قوتوں کی اسلام کے خلاف جاری اس صلیبی جنگ (یہ صلیبی جنگ کے الفاظ CRUSADE نائن الیون کے واقعے کے موقع اس وقت کے امریکی صدر 'بش' نے

کہے تھے) میں مغربی طاقتوں نے کیا گل کھلائے ہیں اور آج وہ کیا کر رہے ہیں اس کو اوپر درج واقعے سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔

12۔ اس خیر وشر کی جنگ کے محاذوں میں ایک اہم محاذ کسی تخریبی کارروائی کے بعد تخریبی کارروائی کرنے والوں کا فون پر متاثرہ فریق کے ذمہ داروں کو اس واقعے کی ذمہ داری قبول کر لینے کا مرحلہ بھی ہے۔ایسی اطلاعات کے ذریعے عوام کے ذہن اور سوچ کو گمراہ کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اب مزید تفتیش و جستجو کی ضرورت نہیں مجرموں نے خود ہی تسلیم کر لیا ہے حالانکہ یہ سب کچھ فرضی، FABRICATED اور پہلے سے طے شدہ ہوتا ہے۔

نائن الیون کے مشہور واقعے کے بعد بغیر تحقیق کے مسلمانوں اور مسلمانوں کی کئی تنظیموں کے خلاف مغرب نے زہر اگلنا شروع کر دیا حالانکہ یہ واقعہ عدالتی تحقیق اور انصاف کے اصولوں کے مطابق فیصلے اور مجرموں کو کیفرِ کردار پر پہنچانے کا متقاضی تھا مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا اور عدالتی تحقیق مغربی ابلیسی طاقتوں کے منصوبہ سازوں نے رُکوادی اور آج 15 سال بعد بھی عدالتی تحقیق کا تذکرہ نہیں ہوتا۔ حالانکہ اہل علم جانتے ہیں کہ انٹرنیٹ پر جو مواد نائن الیون سے متعلق موجود ہے اگر آج بھی عدالتی تحقیق ہو تو حقیقت سامنے آسکتی ہے مجرم سامنے آسکتے ہیں مگر اس تحقیق سے مغربی طاقتوں کی پالیسیوں اور اس صلیبی جنگ کے پس پردہ فرضی کرداروں کا راز فاش ہوتا ہے جو مغرب کو کسی صورت پسند نہیں۔

13۔ اسی جنگ کا ایک محاذ مسلمان نوجوان کو بے حیائی، بے راہ روی اور بدکاری پر مائل کرنا ہے اس کیلئے انٹرنیٹ، موبائل کا محاذ کھول کر برائی کے یہ ذرائع گھر گھر پہنچا دیے گئے ہیں پھر موبائل فون کے کیمرہ کی ایک آنکھ بھی ہر شخص کے ساتھ بلکہ اس کی جیب میں ہے (اور غالباً یہی دجال کی ایک آنکھ ہے جو امریکی ڈالر کے نوٹ پر اہرامِ مصر کی تصویر کے اوپر بنی ہوئی ہے) جس سے بے حیائی انگڑائی لیتی ہے اور پروان چڑھتی ہے۔اسی رُخ پر نازیبا تصویروں کا تبادلہ فیس بک، ٹویٹر، یوٹیوب، ویڈیو چیٹنگ وغیرہ وغیرہ کتنے ہی ناموں سے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو بالخصوص دین اسلام، شرم وحیا، پاکیزگی، پاکبازی، عفت وعصمت کے مذہبی اور روحانی تصورات سے عاری بنایا جارہا ہے تاکہ مسلمانوں کی اگلی نسل اسلام سے خود ہی برگشتہ ہو جائے۔

أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذَالِكَ

14۔ یہ جنگ اخلاق، انسانیت، انسانی اقدار، شرم وحیا، عفت وعصمت، خاندانی نظام کا تحفظ، رشتوں کی تمیز، اعلیٰ اخلاقی اقدار، روحانیت، آسمانی ہدایت، پیغمبروں کی تعلیمات بالخصوص قرآن مجید کی تعلیمات کے فروغ اور انسانیت کی ابدی اور ہمیشہ کی لازوال زندگی کے حصول کے تصور کے خلاف ابلیس اور ابلیس کے ہم خیال لوگ کی طرف سے حیوانیت، بے لباسی، عریانیّت، ناچ گانا، بے مقصدیّت، بے حیائی، بدکاری، شراب، جوا، حرام کاری اور ناجائز اولاد، بے راہ روی، خاندان کی تباہی، جنگل کا قانون، لوٹ کھسوٹ، رشتوں کے تقدّس کا خاتمہ، خود غرضی، قتل وغارت اور درندگی کے ساتھ اخلاق دشمنی، وحی دشمنی، انسان دشمنی اور خدا بیزاری کے تصوّرات کے فروغ کے درمیان جاری ہے اور انسانیت اور اعلیٰ انسانی اقدار کے علمبردار حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کی عالمی سطح پر حتمی عمومی قبولیت (FINAL ACCEPTANCE) تک جاری رہے گی۔

15۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ ہر شخص یہ سوچے کہ اس جنگ میں وہ کس طرف ہے اور اپنے اچھے بُرے مستقبل اور انجام کا سوچ سمجھ کر فیصلہ کرلے۔

انسانیت کا مستقبل، خالق کائنات کے نزدیک قرآن مجید سے وابستہ ہے اور نجات اُخروی بھی اسی قرآن مجید کے بتائے ہوئے ''سیدھے راستے'' پر چل کر ہی ممکن ہے اور مستقبل قریب میں بھی عالمی سطح پر آسمانی ہدایت کے زیر سایہ 'انسانیت' اور 'حقیقی انسانی اقدار' کے فروغ کے لیے واحد آسمانی کتاب قرآن مجید کی تعلیمات کو فروغ دینے اور ان پر عمل کرنے سے منسلک ہے۔ دوسروں الفاظ ہی اس روئے ارضی پر آج حالات کچھ بھی ہوں مستقبل قریب اسلام کا ہے اور اسلام کے لانے والے حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات کا ہے۔ اس عظیم مقصد کے حصول کے راستے کی رکاوٹ ہم مسلمانوں کی طرف سے اپنی وفاؤں میں کمی کے شدید فقدان کی ہے۔ بقول اقبال

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

16۔ مسلمانوں کے علاوہ چھ ارب غیر مسلم دنیا کے 'باضمیر' انسانوں سے بھی التماس ہے کہ

اس متوقع ہولناک جنگ میں وہ کس طرف ہوں گے؟ اس کا فیصلہ خود 'ان' کے مستقبل اور انسانیت کی آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے بڑا اہم ہے۔ لہٰذا ـــــ یہ فیصلہ خوب سوچ سمجھ کر ایک شعوری اور اصولی فیصلہ ہونا عقل و دانش کا تقاضا ہے۔

17۔ اس جنگ کو مسلمانوں کے ہاں 'الملحمة الکبریٰ' (بہت بڑی خوں ریز جنگ) کہا جاتا ہے اور اس کی تفصیلات بھی اوپر درج بائبل کے حوالے سے 'ہرمجدون' کی پیش گوئی کی طرح پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل سے دی ہیں، جو کتب حدیث کے ابواب الفتن میں درج ہیں۔

واضح رہے کہ گزشتہ صدی کے مشہور ایٹمی سائنسدان آئن سٹائن (1875ء -1955ء) کے احوال میں یہ قول بھی موجود ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری میں ہولناک اضافہ اور روز افزوں ترقی کے سبب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ ہرمجدون (تیسری عالمی جنگ) کن کن ہتھیاروں سے لڑی جائے گی مگر اس جنگ سے اتنی تباہی ہوگی کہ اس کے بعد جلد یا بدیر جو اگلی جنگ لڑی جائے گی وہ ضرور ازمنہ قدیم کی جنگوں کی طرح ڈنڈوں اور پتھروں سے لڑی جائے گی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سے بھی کچھ یہی نقشہ سامنے آتا ہے جو آپؐ نے چودہ صدیاں پہلے عام کر دیا تھا۔

ہمیں افسوس ہے کہ آج مغرب اس متوقع عالمی جنگ کی طرف بڑھنے والے دور میں ابلیس (FORCES OF EVIL) کا نمائندہ بن کر سامنے آیا ہے اور اپنے اس کردار پر مصر ہے۔

تحریکی لٹریچر، درپیش علمی معرکہ

سیّد سعادت اللہ حسینی
(نائب امیر، جماعت اسلامی ہند)

(بشکریہ ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، مارچ ۲۰۱۶ء)

زیرِنظر مضمون میں جہاں تحریکِ اسلامی کے محترم اہلِ قلم کی کاوشوں اور خدمات کا اعتراف ہے، وہیں اس معرکۂ علم وفضل میں خود احتسابی اور خود توجہی کا دل آویز حوالہ بھی موجود ہے۔ ادارہ

تحریکِ اسلامی کے لٹریچر کا ایک بڑا حصہ 'علمِ کلام' یعنی اسلامی عقائد واصولوں کے حق میں عقلی دلائل پر مبنی ہے۔ یہ مولانا مودودی کے بڑے کارناموں میں سے ہے کہ ایک بڑے نازک موڑ پر انھوں نے اُمت کے جدید تعلیم یافتہ اور ذہین طبقے کو فکری ارتداد سے بچایا اور ان کے ذہن وقلب میں اسلام پر یقین واعتماد کو بحال کیا اور اس کے لیے بڑی گہری اور پائے دار بنیادیں فراہم کیں۔

اسلامی عقائد و ایمانیات پر پختہ یقین پیدا کرنے میں مولانا مودودی کی شہرۂ آفاق کتابیں: دینیات، خطبات اور اسلامی عبادات پر تحقیقی نظر شامل ہیں۔ ان کتابوں میں مولانا نے عام فہم اور سادہ طریقے سے اسلام کے بنیادی عقائد کو عقلی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ اسی طرح اسلامی نظامِ زندگی اور اس کے بنیادی تصورات کے بعض مقالات اور تفہیم القرآن کے بہت سے مباحث میں انھی موضوعات کو اور زیادہ عالمانہ طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

آج، اسلامی دعوت کی بڑی علمی ضرورت یہ ہے کہ علم وفضل کے اس سلسلے کو مزید آگے بڑھایا جائے۔ اسلامی علمِ کلام کو ترقی دی جائے اور اسلامی عقائد کو فلسفے کی اعلیٰ ترین سطح پر ثابت کیا جائے۔

● توحید، اِلحاد اور تشکیک: اسلامی عقائد کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے، یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کا وجود اور اس کی وحدانیت اور خالقِ ارض و سما کی صفات۔ یہ مسئلہ زمانۂ قدیم ہی سے مذہبی اور غیر مذہبی طبقوں کے درمیان متنازع رہا ہے۔ آج کی علمی دنیا میں بھی، سیکولر مغرب اور اسلام کے درمیان اصل فلسفیانہ اختلاف اسی مسئلے پر ہے۔ اللہ کا وجود اور صفات تسلیم ہو جائیں تو رسالت اور آخرت پر یقین پیدا کرنا آسان ہے۔

مولانا مودودی کی کتابیں ایک عام تعلیم یافتہ فرد کو اللہ کے وجود پر قائل کرنے کے لیے کافی ہیں۔ ان کتابوں میں اُن دلائل سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو عہد وسطیٰ کے متکلمین، بالخصوص امام غزالی [۱۰۵۸ء-۱۱۱۱ء] نے یونانی فلسفے کے توڑ کے لیے استعمال کیے تھے۔ مولانا مودودی نے ان کلاسیکل دلائل کو اپنے مخصوص طرزِ بیان اور جدید مثالوں سے نیا آہنگ اور پُر تاثیر خوب صورتی بخشی ہے اور جدید ذہن کے لیے انھیں قابلِ قبول بنا دیا ہے۔ بلاشبہ مولانا مودودی کی یہ کتابیں ہمارے عہد کی محسن کتابیں ہیں۔ ان مباحث نے نجانے کتنے قلوب سے تشکیک کا غبار صاف کیا ہے اور بلا مبالغہ لاکھوں دلوں کو ہدایتِ الٰہی کی شمع سے روشن کیا ہے۔

جیسا کہ عرض کیا ہے، یہ دلائل عام پڑھے لکھے لوگوں کے لیے تو کافی ہیں، لیکن جنھوں نے مغربی فلسفوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور ان کا کم و بیش اثر قبول کیا ہے، ان کے لیے کام باقی ہے۔ اٹھارھویں اور انیسویں صدی میں ملحد مغربی فلسفیوں نے انھی دلائل کی کاٹ کی ہے۔ اللہ کے وجود کے اثبات میں مولانا مودودی نے گھڑی اور مشینوں کی جو مثال دی ہے، پہلے پہل یہ مثال برطانوی عیسائی فلسفی ولیم پیلے [۱۷۴۳ء-۱۸۰۵ء] نے پیش کی تھی۔ گذشتہ ۲۰۰ برسوں میں یہ مثال مختلف اہلِ علم کے ہاں مختلف حوالوں سے بہ کثرت زیرِ بحث آچکی ہے۔

ڈیوڈ ہیوم [۱۷۱۱ء-۱۷۷۶ء] سے لے کر رچرڈ ڈاکنز [پ:۱۹۶۱ء] تک درجنوں فلسفیوں نے اس پر جرح کی ہے اور رچرڈ ڈاکنز نے ایک مستقل کتاب صرف اس ایک دلیل کے رد میں لکھی ہے۔ برٹرنڈ رسل [۱۸۷۲ء-۱۹۷۰ء] کے دلائل اچھے اچھے اہلِ ایمان کو متشکک کر دیتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں رچرڈ ڈاکنز، کرسٹوفر ہیچنز [۱۹۴۹ء-۲۰۱۱ء] اور وکٹر جے اسٹینجر [۱۹۳۵ء-۲۰۱۴ء] جیسے دسیوں بلند پایہ فلسفی ہیں، جنھوں نے الحاد کے حق میں دلائل کی وسیع

عمارتیں کھڑی کی ہیں۔ یہ سب فلسفے، علمی دنیا میں الحاد، خدا بے زاری اور انتہا پسندانہ سیکولرزم کے لیے مضبوط بنیادیں فراہم کرتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ان فلسفوں کے مقابلے کے لیے اور جدید اسلوبِ نگارش میں ہمارا موجودہ اسلامی تحریری سرمایہ کسی صورت کافی نہیں ہے۔ میں ایسے کئی صالح، دین دار نوجوانوں سے واقف ہوں جو عمانویل کانٹ [۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء] اور برٹرنڈ رسل کو پڑھ کر کئی کئی سال تشکیک اور سخت پریشانی کے عالم میں رہے۔ اس پس منظر میں یہ اسلامی دعوت کی اہم ترین علمی ضرورتوں میں سے ہے کہ عالمانہ اور فلسفیانہ سطح پر الحاد کی کاٹ کی جائے اور بجا طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کیا جائے۔ یہ کام عہد وسطیٰ میں امام غزالی نے کیا تھا، جنھوں نے یونانی فلسفے کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔

مسیحی دنیا میں اس محاذ پر بڑا قابلِ قدر کام ہوا ہے۔ اگر اس سے استفادہ کرتے ہوئے بھی کچھ کتابیں لکھ دی جاتیں تو مفید کام ہوتا۔ اس طرح کی کچھ کوششیں ہوئی بھی ہیں۔ مثال کے طور پر ترکی کے دانش ور، ہارون یحییٰ [پ: ۱۹۵۶ء] نے سائنسی دلائل کا سہارا لیتے ہوئے بہت قیمتی لٹریچر پیش کیا ہے۔ لیکن یہ دلائل بھی عام لوگوں کے لیے ہیں۔ ملحد فلاسفہ کی گتھیوں کو فلسفیانہ سطح پر حل کرنا ان کا مقصد بھی نہیں ہے۔ وحیدالدین خان صاحب [پ: ۱۹۲۵ء] نے بھی ایک زمانے میں اس ذیل میں اچھی کوششیں شروع کی تھیں۔ اگر وہ اس کام کو جاری رکھتے تو شاید بڑا اہم کام ہوتا۔ لیکن بعد ازاں خود ملامتی رنگ اپنانے کے نتیجے میں اس موضوع پر ان کا موجودہ لٹریچر بہت سطحی نوعیت کا ہے۔ اس سے اہلِ ایمان کے ایمان میں کہیں اطمینان اور کہیں تزلزل تو پیدا ہوسکتا ہے، لیکن کسی ملحد فلسفی کو قائل کرنے کا کام نہیں ہوسکتا۔

مولانا عبدالباری ندوی [۱۸۸۶ء-۱۹۷۶ء] کی کتب: برکلے اور اس کا فلسفہ، مذہب اور عقلیات، مذہب اور سائنس میں ان موضوعات پر گراں قدر مباحث ہیں۔ خاص طور پر کوانٹم میکانکس اور 'نظریۂ نسبیت' (Relativity) کے بعد کی فلسفیانہ صورتِ حال کے پیشِ نظر بعض اچھے نکات زیرِ بحث آئے ہیں۔ لیکن ایک تو یہ بحث کافی نہیں ہے اور دوسرے کافی قدیم ہے۔

امریکی مسیحی فلسفی ولیم لین کریگ [پ: ۲۳/اگست ۱۹۴۹ء] نے اسلامی علمِ کلام ہی کو مسیحی نقطۂ نظر اور سائنس و فلسفے کی جدید ترقیوں کی روشنی میں کافی ترقی دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وجود

کے اثبات میں ان کے کام کو بڑی اہمیت حاصل ہے اوران کی ۳۰ سے زائد کتب، خاص طور پر ۱۹۷۹ء میں ان کی کتاب The Kalam Cosmological Argument(KCA) اللہ کے وجود کے اثبات پر بڑی گہری فلسفیانہ کتاب ہے اور ملحد فلسفیوں کے بیش تر دلائل کا پرزور رد ہے۔

اسی طرح برطانوی فلسفی اینٹونی فلیو [۱۹۲۳ء-۲۰۱۰ء] زندگی بھر ملحد رہے اور الحاد کے حق میں اور اللہ کے وجود کے رد میں تین درجن سے زیادہ کتابیں لکھیں۔ یاد رہے انھیں دنیا کا بدنام ترین ملحد کہا جاتا تھا، لیکن مرنے سے دو تین سال قبل انھوں نے اپنا ذہن بدلا اور مرتے مرتے، اللہ تعالیٰ کے وجود کے اثبات میں کتاب لکھ گئے۔ ان کی کتاب There is a God اس موضوع پر بہت گہری فلسفیانہ دستاویز ہے۔ عمانویل کانٹ اور ڈیوڈ ہیوم سے لے کر عصر حاضر کے معروف ملحدین تک کی ہر دلیل کا مسکت جواب اس کتاب میں موجود ہے۔ یہ کتاب چونکہ ایک ایسے فرد کی لکھی ہوئی ہے، جو عصرِ حاضر میں الحاد کا بڑا اقد آور امام مانا جاتا تھا، اس لیے اس کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ولیم کریگ اور اینٹونی فلیو کے 'تصورِ خدا' میں اور اسلام کے 'تصورِ الٰہ' میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لیے ان کتابوں سے استفادہ محدود پیمانے پر ہی ہوسکتا ہے۔ اس لیے ابتدا میں کم از کم یہ ہونا چاہیے کہ فلسفے کے کچھ ذہین طالب علم، ان عیسائی فلسفیوں کے افکار سے استفادہ کرتے ہوئے اسلام کے 'تصورِ الٰہ' کے حق میں کچھ گہری کتابیں لکھیں اور دھیرے دھیرے یہ کاوشیں جدید اسلامی فلسفے کی ایک مستقل شاخ بن جائیں۔

● **اسلامی نظریات کی جدید تشکیل**: مولانا مودودی کے کارنامے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے واضح طور پر تھیوری اور پیراڈائم [مثالی نمونۂ فکر] کی سطح پہ کام کیا ہے۔ پھر اسلام کی متفرق تعلیمات ہی بتانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اسلامی تصورات کی بنیادوں پر مکمل اور منظّم نظریہ کھڑا کیا ہے۔

تھیوری، تصورات کے منظّم ڈھانچے کا نام ہے۔ ایک ذہین مفکر جب واقعات اور احوال پر غور کرتا ہے، تو ان کی توجیہات کا ایک ایسا منظّم خاکہ اور ایک ایسی آفاقی اسکیم تیار کرتا ہے، جس کی بنیاد پر اس طرح کے بے شمار واقعات اور احوال کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے۔ مستقبل سے متعلق پیش گوئی کی جاسکتی ہے اور آیندہ چند در چند واقعات کے متعلق کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

اکثر تھیوری میں تجریدی (abstract) تصورات پیش کیے جاتے ہیں اور انھیں مخصوص (اور اکثر منفرد اور نئی) اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مولانا مودودی نے خلافت راشدہ اور بنواُمیہ کی تاریخ اور اس زمانے میں پیش آئے واقعات کی بنیاد پر خلافت سے ملوکیت کی طرف سفر کی ایک پوری تھیوری تعمیر کی اور اس تھیوری کو خلافت، ملوکیت وغیرہ اصطلاحات کے استعمال سے واضح کیا۔ یا تحریکِ آزادیِ ہند کے زمانے کے احوال و واقعات کا تجزیہ کرتے ہوئے اسلامی ریاست و سیاست کی تھیوری تعمیر کی۔ ابن خلدون [۱۳۳۲ء-۱۴۰۶ء] نے 'عصبیہ' (Social Cohesion) کی تھیوری پیش کی، یا امام غزالی نے اخلاق کی تھیوری پیش کی تھی اور 'شہوت'، 'حکمت' اور 'غضب' کی اصطلاحات سے اس تھیوری کی وضاحت کی تھی۔

تھیوری کی تعمیر ایک بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ تھیوری بن جائے تو تفصیلات کا تعین بھی آسان ہوجاتا ہے اور اثبات بھی۔ کارل مارکس کا ورلڈ ویو [تصورِ جہاں] ہم کو معلوم ہے۔ اسی تصورِ جہاں کی بنیاد پر اس نے تاریخ میں 'جدلیاتی مادیت' (Dialectical Materialism) کی تھیوری پیش کی۔ اب ایک مارکسی مفکر کے لیے یہ ممکن ہوگیا کہ وہ اس تھیوری کی بنیاد پر ہر تاریخی واقعے کی توجیہ کرے اور مستقبل کی پیش گوئی کرے۔ یوں سماجیات میں اس نے 'معاشی جبریت' (Economic Determinism) کی تھیوری پیش کی۔ نو مارکسی مفکرین نے اس میں ترمیم کی اور فرانسیسی مفکر لوئی التھیوز [۱۹۱۸ء-۱۹۹۰ء] نے 'زائد جبریت' (Overdeterminism) اور 'نسبتی خودمختاری' (Relative Autonomy) جیسی نئی سماجی تھیوریاں تشکیل دیں۔

مولانا مودودی نے اسلامی نظامِ اجتماعیات میں سیاسی سطح پر تھیوری کی تعمیر کا مکمل کام کیا ہے۔ حاکمیت و شارعیتِ الٰہ، خلافتِ جمہور، عالم گیر انسانی اخوت، حکومتِ الٰہیہ، اقامتِ دین وغیرہ اس تھیوری کے کچھ مرکزی عنوانات ہیں۔ دیگر محاذوں پر بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مودودی کے ذہن میں تھیوریوں کا مکمل خاکہ موجود تھا اور ان کی تصنیفات میں تعلیم، معیشت، تہذیب اور تاریخ کی تھیوریوں کے سلسلے میں واضح اشارات ملتے ہیں۔

تاہم، آج اسلامی فکر کے سامنے ایک بڑا اہم چیلنج یہ ہے کہ theory construction [تعمیر ژرف اندیشی] کے اس کام کو آگے بڑھایا جائے۔ اسلامی معاشیات کے

باب میں مولانا مودودی، ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر محمد عمر چھاپرا، ڈاکٹر انس زرقا، محمد اکرم خان، ابوالحسن بنی صدر، باقر الصدر وغیرہ کی خدمات قابلِ ذکر ہیں۔ لیکن اسلامی معاشیات کو ابھی بہت سے حل طلب مسائل اور چیلنج درپیش ہیں، جس کے لیے نئی نسل کو آگے بڑھنا ہے۔ تعلیم میں فلسطینی نژاد اسکالر ڈاکٹر اسماعیل راجی الفاروقی شہید [۱۹۲۱ء-۱۹۸۶ء] اور دیگر بے شمار دانش وروں اور اداروں کی گراں قدر کوششوں اور سیّد محمد نقیب العطاس [پ:۱۹۳۱ء] کی چشم کشا تحریروں کے باوجود یہ امر واقعہ ہے کہ منظّم تھیوری کی تشکیل کا کام ابھی باقی ہے۔ غالباً ابھی تک اس سطح کا کام نہیں ہے کہ ہم اسے Educational Essentialism [تدریسی ماہیت گری]، یا Criticial Pedgagogy [تنقیدی فنِ تدریس] یا ۱۹۱۱ء سے رُوبہ عمل 'مونٹی سوری تدریسی طریقے' یا ۱۹۱۹ء سے متعارف 'والڈروف تدریسی عمل' وغیرہ کے مقابلے میں پیش کرسکیں۔ تاریخ اور تہذیب میں بھی یہ کام نامکمل ہے۔ نفسیات میں سوڈان سے عالی مرتبت ڈاکٹر مالک بدری [پ:۱۹۳۲ء] کی شان دار کوششوں کے باوجود، سگمنڈ فرائڈ [۱۸۵۶ء-۱۹۳۹ء] کے گمراہ کن نظریات کا متبادل پیش کیا جانا باقی ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ معاصر اسلامی لٹریچر میں 'سماج' یا 'معاشرہ' کی کوئی مبسوط تھیوری تشکیل نہیں پاسکی۔ حالیہ دنوں میں امریکی ایرانی مصنف سیّد حسین نصر [پ:۱۹۳۳ء]، ترک مصنف فتح اللہ گولن [پ:۱۹۴۱ء]، اور عرب نژاد طارق رمضان [پ:۱۹۶۲ء]، نے اور ماضی قریب میں ایران سے استاذ مرتضٰی مطہری [۱۹۱۹ء-۱۹۷۹ء]، اور ڈاکٹر علی شریعتی [۱۹۳۳ء-۱۹۷۹ء]، نے اس ذیل میں کچھ اچھی تھیوریاں ضرور پیش کی ہیں، لیکن اسلامی سماجی تشکیلِ نو کے لیے غالباً یہ نظریات تحریکِ اسلامی کے فکر کی اطمینان بخش نمایندگی نہیں کرتے۔

ظاہر ہے کہ تھیوری اور خاص طور پر مولانا مودودی، ابن خلدون، امام غزالی اور کارل مارکس وغیرہ کی متذکرہ طرز کی گرینڈ تھیوریوں (grand theories) کی تشکیل ایک عبقری کام ہے اور عبقری مفکرین روز روز نہیں پیدا ہوتے۔ لیکن اس طرح کے بڑے مفکرین کے دیے ہوئے اشارات کی بنیاد پر اجتماعی کوششوں اور اجتماعی دانش کے ذریعے اس کام کی تکمیل آسانی ہوسکتی ہے، جو انھوں نے چھوڑا ہے۔ 'نومارکسیت' میں 'فرینکفرٹ اسکول'، 'نیولبرلزم' میں 'شکاگو اسکول'

وغیرہ، درحقیقت افراد کے کارنامے نہیں ہیں بلکہ اجتماعی اداروں کے کارنامے ہیں، جن کی تھیوریوں نے دنیا پر بڑے گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ خود ہمارے حلقوں میں اسلامی معاشیات میں جو کام ہوا ہے وہ زیادہ تر اجتماعی سطح پر ادارہ جاتی کوششوں کے ذریعے ہوا ہے۔ اس لیے کوشش کی جائے تو اسلامی فکر میں بھی یہ کام ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ہم دنیا کو بہت شرح و بسط کے ساتھ یہ نہیں بتا سکے کہ ہمارے خوابوں کی دنیا کیسی ہوگی؟ مراد یہ ہے کہ ہمارے بہت سے خواب ابھی بھی بہت غیر واضح ہیں۔ اس عدمِ وضاحت کی وجہ سے مزاحم اور متحارب گروہوں میں سے کوئی یہ سمجھتا ہے کہ: ''شاید ہم دنیا کو محض ٹائم مشین میں بٹھا کر ۱۴۰۰ برس پہلے کے تمدن میں لے جانا چاہتے ہیں''۔ اور کسی کا خیال یہ ہے کہ: ''ہماری منزل غالباً ساری دنیا کو اسامہ بن لادن اور طالبان کا افغانستان بنا دینا چاہیے''۔ کوئی ہمارے حق میں بہت کشادہ دل واقع ہوا تو یہ سمجھتا ہے کہ: ''ہم آیت اللہ خمینی والا ایران چاہتے ہیں''۔ حالانکہ ہمارے بارے میں یہ تینوں مفروضے ہرگز درست نہیں ہیں، اور منفی سوچ کے مظہر ہیں۔

گویا کہ نظریاتی تحریکوں کی ایک بڑی ضرورت یہ ہوتی ہے کہ وہ واضح خواب دیکھیں اور دنیا کو وہ واضح خواب دکھائیں۔ خواب دکھانے کا یہ کام بہت وسیع الاطراف اور ہمہ تخصصی (multi- disciplinary) معرکہ ہے۔ ۲۰ ویں صدی کے نصف اوّل میں کمیونسٹوں نے یہ کام بہت مؤثر طریقے سے انجام دیا تھا۔ اس خواب کی پیش کاری کے لیے فکر و فلسفے سے لے کر لوک گیتوں اور تھیٹر اور ناچ کی محفلوں تک کوئی ذریعہ انھوں نے نہیں چھوڑا تھا۔ فلسفہ، تاریخ، سماجیات، سیاسیات، معاشیات، نفسیات، ادبیات، حتیٰ کہ صنفیات وغیرہ میں ان کی اپنی مستقل تھیوریاں تھیں۔ پالیسیوں اور مسائل پر ان کے واضح موقف تھے اور اس کی تائید میں بھرپور لٹریچر تھا، فلمیں تھیں، ناول، افسانے، شاعری تھی اور ادب عالیہ و فنون لطیفہ کے ذریعے عام ناخواندہ اور خواندہ خواتین و حضرات کو بھی انھوں نے اپنی مطلوب دنیا کی جھلک دکھا دی تھی۔ اُردو شاعری ہی میں دیکھ لیجیے، فیض احمد فیض، اسرارالحق مجاز، ساحر لدھیانوی وغیرہ نے کس خوب صورتی سے 'پرولتاری آمریت' (نام نہاد جمہوری) پر مبنی دنیا کے مناظر دکھائے تھے:

مجبور بڑھاپا، جب سونی راہوں کی دھول نہ پھانکے گا
معصوم لڑکپن، جب گندی گلیوں میں بھیک نہ مانگے گا
حق مانگنے والوں کو جس دن، سولی نہ دکھائی جائے گی
وہ صبح کبھی تو آئے گی
سنسار کے سارے محنت کش کھیتوں سے نکلیں گے
بے گھر، بے دَر، بے بس انساں، تاریک بلوں سے نکلیں گے
دنیا امن اور خوش حالی کے پھولوں سے سجائی جائے گی
وہ صبح ہمیں سے آئے گی

تاہم، ہمیں کمیونسٹوں کی طرح ایسی سستی نعرے بازی کے بجائے متوازن اور مؤثر انداز سے: عدل، سچائی اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کے زیرسایہ، اس میدان میں بہت زور وشور سے پیش رفت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے تھیوریوں کی تعمیر کا کام ہو۔ ان کی روشنی میں پالیسیوں پر اُٹھنے والے سوالوں کا جواب (response) ہو اور متبادل آئیڈیاز کی تخلیق اور پیش کش کا کام ہو۔ ادب عالیہ کو بڑے پیمانے پر ہمارے خوابوں کی دنیا دکھانے کے لیے ادبی لطافتوں کی بھرپور رعایت اور تفہیم کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ اس غرض کے لیے فلمیں بنیں۔ فائن آرٹ کا استعمال ہو۔ یہاں تک کہ لوگ ہمارے خوابوں کو اور ہمارے خوابوں کی دنیا کو سمجھ جائیں اور ان خوابوں میں عملی زندگی کو ڈھالنے کے لیے اُمنگ محسوس کریں۔ یہ کام عمومی طور پر عالمی سطح پر بھی ہونا چاہیے اور ہر ملک کے مخصوص احوال کے پس منظر میں بھی۔

جائزے کا ایک زاویہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ مستقبل قریب میں ہمارے اور باقی دنیا کے درمیان اصل بحث طلب موضوعات کیا ہیں اور کیا ہو سکتے ہیں؟ ان موضوعات پر بھرپور تیاری کی ضرورت ہے۔ یہ جائزہ ملک کی سطح پر بھی ہونا چاہیے اور عالمی سطح پر بھی۔

● عصر حاضر میں مذہب کا کردار: ابتدا میں وجودِ باری تعالیٰ کی بات آچکی ہے۔ اس کے بعد اہم ترین متنازع موضوع 'مذہب اور مذہب کے دائرے' کا موضوع ہے۔ انسان کی اجتماعی زندگی میں مذہب کا فعال کردار، انسانیت کے لیے مفید ہے یا نقصان دہ؟ یہ سوال آیندہ کئی

عشروں تک دنیا کے دانش ورانہ اُفق پر چھایا رہے گا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ خالص عالمانہ طریقوں سے اور مخالف ذہن اور اس کے تحفظات کو اچھی طرح سمجھ کر اس بحث میں فعال حصہ لیا جائے۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ: ''کفر جو چاہتا ہے کرتا پھرے، ہمیں کیا ہے؟'' نہیں۔ ''کفر جو چاہے کرتا پھرے'' کا اثر خود ہماری نسلوں، عام انسانوں اور دنیا کے مستقبل پر پڑتا ہے۔اس لیے اس کو نظر انداز کرنا امتِ وسط کی منصبی ذمہ داری سے انحراف کے معنوں میں آتا ہے۔

اب دنیا کا منظرنامہ بڑی حد تک بدلا ہوا ہے۔سیکولرزم کے حق میں پہلے جیسا جوش و خروش باقی نہیں ہے۔فرانس جیسے ملک کا سابق صدر فرانس نکولاس سرکوزی [پ:۱۹۵۵ء] جیسا متشدد سیکولرسٹ بھی برسرِ عام یہ کہہ رہا ہے کہ: ''مذہب کی بنیاد کے بغیر وجود میں آنے والی اخلاقیات ناپائے دار ہیں اور سوسائٹی کے لیے خطرناک بھی''۔ دوسری طرف مذہب سے بغاوت پر مبنی، مادر پدر آزاد اجتماعی زندگی کا ۳۰۰ سالہ طویل تجربہ، اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ دنیا کے سامنے موجود ہے۔ان تین چار سو برسوں میں خود مذہب کے صحیح و غلط اور اجتماعی زندگی پر اس کے اثرات کا ریکارڈ بھی موجود ہے۔ان تجربات کی بنیاد پر بہت سے سیکولر دانش ور بھی مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق کی ازسرِ نو تعیین کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس بحث کو تحریکی دانش ور نئے زاویے دیں، اور یہ ثابت کریں کہ اکیسویں صدی کے باشعور انسان کو مذہب کے تئیں خوف و احتیاط کے اس رویے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے، جو یورپ کی نشاتِ ثانیہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، اور یہ کہ اجتماعی زندگی میں مذہب کا تعمیری اور مثبت کردار انسانیت کے بہت سے مسائل کو حل کرسکتا ہے اور اس کا عملی ماڈل صرف اسلام پیش کرسکتا ہے۔اس سلسلے کی جو اُلجھنیں جدید سیکولر ذہن محسوس کرتا ہے، انھیں اور زیادہ تفصیل اور دلائل کے ساتھ رفع کرنے کی ضرورت ہے، اور اس بات کی ضرورت ہے کہ ان اُلجھنوں کا قابلِ عمل حل پیش کیا جائے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک بحث، مختلف مذاہب کے ساتھ تعلق اور تکثیری معاشروں میں رویوں کی بحث بہت اہمیت کی حامل ہے۔ عام ذہن کسی ایک مذہب کی حقانیت پر اصرار اور باقی مذاہب کے ردّ و ابطال کو پسند نہیں کرتا۔ اپنے مذہبی عقیدے کو واحد سچائی سمجھنا مذہبی جنون

(fanaticism) سمجھا جاتا ہے اور یہاں تکثیریت (Pluralism) کے اُس فلسفے کو قبولِ عام حاصل ہے، جس میں سماج یا معاشرے کو شربت کے ایک ایسے جار سے تشبیہ دی جاتی ہے، جس میں مختلف مشروبات مل کر اور اپنا منفرد رنگ و مزا کھو دیتے ہیں اور پھر ایک نیا رنگ اور نیا مزا پیدا کرتے ہیں۔ اب نئے عالمی حالات میں اور خاص طور پر پوسٹ ماڈرن فلسفوں کے پس منظر میں یہ ذہن دنیا میں قبولِ عام اختیار کرتا جا رہا ہے۔ دنیا کا یہ رویہ مذہب کے علاوہ کسی اور علمی محاذ پر نہیں ہے (پوسٹ ماڈرن فلسفوں کی استثنا کے ساتھ)۔

فلسفہ، مختلف سماجی علوم، حتیٰ کہ نظریاتی سائنس میں بھی مختلف متضاد تھیوریوں پر زوردار بحثیں جاری ہیں۔ لوگ اپنے موقف ہی کو صحیح سمجھتے ہیں اور متضاد موقف کو غلط سمجھتے ہیں، اور اسے تنقید و جرح کا موضوع بناتے ہیں۔ البتہ اس 'غلط' موقف کو اختیار کرنے کے اپنے مخالفین کے حق کو بھی تسلیم کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اگر یہ رویہ راست فکری سے اپنایا جائے تو اسی مجادلے سے سچائی نکھر کر سامنے آ سکتی ہے، اور دیگر لوگوں کو اپنے موقف کے تعیین میں مدد مل سکتی ہے۔

اسلام، دین و مذہب کے معاملے میں بھی اسی معقول علمی رویے کا قائل ہے۔ اسے بجا طور پر اپنی سچائی پہ اصرار ہے اور وہ اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس کی حقانیت کو باقی دنیا پر واضح کریں۔ اسلام چاہتا ہے کہ جو لوگ اس سچائی کے قائل نہیں ہیں، ان کے ساتھ مکالمہ و مجادلہ ہوتا رہے۔ لیکن اگر کوئی ماننا ہی نہیں چاہتا تو اس دنیا میں، اسلام اسے نہ ماننے کا اختیار بھی دیتا ہے۔ دنیا کو دلائل کے ساتھ یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ مذہب سمیت تمام مختلف فیہ معاملات میں یہی معقول اور مطلوب رویہ ہے۔

تاہم، مخالف موقف کو بھی صحیح سمجھنے کا مطالبہ اور اس پر اصرار ایک غیر فطری اور نامعقول مطالبہ ہے جو بدترین نفاق کو جنم دیتا ہے۔ مذہب کے معاملے میں بحث و مجادلے سے گریز اور سبھی مذاہب کو بیک وقت صحیح سمجھنے پر اصرار کی روش کو ہمیں علمی سطح پر تنقید کا موضوع بنانا چاہیے۔ ڈاکٹر عبدالحق انصاری، مولانا فاروق خان اور مولانا سلطان احمد اصلاحی صاحبان نے اس تصور پر جرح کی ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ دیگر مذہبی فلسفیوں کے دلائل کا جائزہ لے کر اور زیادہ تفصیل اور گہرائی کے ساتھ اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے۔

● مرد اور عورت کا تعلق اور جدید رجحانات: انسانی معاشرت اور اجتماعی اخلاقیات کی سطح پر ایک اہم بحث طلب موضوع جنسی رجحانِ طبع (sexual orientation) ہے۔اب یہ بات مشرق و مغرب کے تقریباً تمام بااثر طبقات میں تسلیم کر لی گئی ہے کہ: ''افراد کے اندر کئی طرح کے جنسی رجحانات فطری طور پر پائے جاتے ہیں اور ہم جنس پرست مرد اور عورتوں کا وجود ایک فطری حقیقت ہے اور انھیں اپنے جداگانہ جنسی رجحان کے ساتھ ویسے ہی رہنے کا حق حاصل ہے، جیسے مذہبی و لسانی اقلیتوں کو اپنے جداگانہ مذہب یا جداگانہ زبان کے ساتھ رہنے کا حق حاصل ہے''۔اس کے پہلو بہ پہلو 'جنسی اقلیت' کی اصطلاح بھی ساری دنیا میں چل پڑی ہے اور ان کے اس رجحان کے خلاف کوئی بھی بات 'اقلیت دشمنی' باور کرائی جارہی ہے۔کوئیر تھیوری (Queer Theory: خبطی نظریہ) کی ترویج کی منصوبہ بند کوششیں کی جارہی ہیں اور علمی حلقوں میں اسے قبولِ عام بھی حاصل ہوتا جارہا ہے۔

اس تھیوری کی وکالت میں سماجی سائنس دان، ماہرین نفسیات، ماہرین حیاتیات، ماہرین طب و علم الابدان، ماہرین قانون اور علماے اخلاقیات و فلسفہ وغیرہ پر مشتمل اہلِ علم کا بڑا گروہ پوری دنیا میں کام کر رہا ہے۔ یہ بات اب تیزی سے مشرقی ممالک کے اشرافیہ میں بھی قبولِ عام اختیار کرتی جارہی ہے۔مثال کے طور پر ہندستان میں ہم جنسی کے خلاف باقاعدہ قانون موجود ہونے کے باوجود، عدالتیں اس عمل کو نہ صرف یہ کہ جرم نہیں سمجھتیں، بلکہ اُلٹا اس عمل کی ہلکی سے ہلکی مخالفت یا قانون کے نفاذ کو سنگین اور خلافِ انسانیت جرم سمجھتی ہیں۔عیسائی مذہبی قیادت اس مسئلے پر تقریباً سرنگوں ہوچکی ہے اور مغربی دنیا میں مسلمان اہلِ علم کی ایک قابلِ لحاظ تعداد، انتہائی مدافعانہ اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور نظر آتی ہے۔جان لینا چاہیے کہ آج یہ مغرب میں کھلے عام اور مشرق میں صرف بالائی سطح پر زیر بحث اور زیرِ عمل رویہ دکھائی دے رہا ہے، تو ممکنہ پیش بندی نہ ہونے کی صورت میں، یہ آنے والے برسوں میں مسلم معاشروں کا ایک عمومی مسئلہ بن جائے گا۔

ان حالات میں یہ موضوع ایک وسیع اور ہمہ تخصصی منصوبے (multi disciplinary project) کا تقاضا کرتا ہے۔اس بات کو بطور ایک مفروضہ

(hypothesis) لینا چاہیے کہ ''غیر محرمات کے درمیان نکاح کے ذریعے مرد و عورت کے درمیان جنسی تعلق کے سوا تمام جنسی رویے اور رجحانات غیر فطری اور انسانی جسم، معاشرے اور آخرکار تہذیب کے لیے نقصان دہ ہیں''۔ میڈیکل سائنس، نفسیات اور میڈیکل نفسیات (Psychiatry)، سماجی سائنس وغیرہ کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں خالص علمی طریقے سے اس مفروضے اور موقف کو ثابت کیا جانا چاہیے۔

- **جدید تصوراتِ زندگی اور اسلام:** دنیا میں جو مختلف نظریات پائے جاتے ہیں اور عالمی سیاست، معیشت و معاشرت کے بارے میں جو مختلف نقطہ ہاے نظر پائے جاتے ہیں، ان کا محاکمہ بھی ضروری ہے۔ ان میں سے بعض نظریات خود مسلمان نوجوانوں پر بھی گہرے اثرات چھوڑ رہے ہیں۔ دنیا کی کوئی نظریاتی تحریک معاصر افکار کو نظرانداز کرنے اور خاموشی کی روش اختیار نہیں کرسکتی۔ یہ ہماری دعوتی اور تحریکی ضرورت ہے کہ ہم ان کا نوٹس لیں اور ان کی اُلجھنوں کو رفع کریں۔ معاشیات و سیاسیات میں سب سے اہم اور طاقت ور نظریہ 'نوسرمایہ داری' کا نظریہ ہے۔ ان تفصیلات کا تعین ابھی باقی ہے کہ سرمایہ دارانہ نظم کی ناانصافیوں کا ازالہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اس ذیل میں ہمارا 'تصورِ بصیرت' (vision) کیا ہے؟

اس نظام کے متبادل کے طور پر کئی نظریات دنیا میں بہت شد و مد کے ساتھ پیش ہو رہے ہیں۔ ان میں سرفہرست مارکسیت کی نئی تعبیر 'نو مارکسیت' (Neo-Marxism) ہے۔ 'مارکسیت' کے جن عناصر پر ہم اب تک تنقید کرتے آئے ہیں، ان میں سے بہت سارے عناصر سے نومارکسی مفکرین نے اعلانِ براءت کرلیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب اس بدلے ہوئے رُوپ سے ہمارا کیا تعامل ہو؟ ان میں اور ہم میں مشترک اُمور کیا ہیں اور کیا اُمور مختلف فیہ ہیں؟ ان پر کام کی ضرورت ہے۔

ایک اور متبادل جو پوری دنیا میں بہت پُرزور طریقے سے پیش ہو رہا ہے، وہ لبرٹیرین ازم (Libertarianism: شخصی آزادخیالی) کی مختلف شاخیں اور مختلف نظریاتی دھارے ہیں۔ انارکزم، نیوانارکزم، میوچلزم وغیرہ جیسے خیالات نے اسلامی دنیا سمیت پوری دنیا میں پڑھے لکھے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو متاثر کر رکھا ہے۔ عالمی سطح پر نوم چومسکی [پ:۱۹۲۸ء] جیسا دانش ور ان افکار کا پرجوش مبلغ ہے۔ اسی طرح ارون دھتی رائے [پ:۱۹۶۱ء] جیسے بااثر مصنّفین اس فکری

دھارے سے وابستہ ہیں۔ ان سیاسی وسماجی نظریات کے علاوہ، سماجی سطح پر 'اکولوجی موومنٹ' (جس نے کئی سیاسی وسماجی تنظیموں، حتیٰ کہ یورپ کی 'ارتھ لبریشن فرنٹ' جیسی دہشت گرد تنظیم کو بھی جنم دیا ہے)، طرزِ زندگی کی سطح پر ویجین موومنٹ، تعلیم کی سطح پر 'ڈی اسکولنگ' اور 'ان اسکولنگ' کی تحریک، 'طرف داریِ نسواں' (Feminism) کے مختلف روپ بشمول 'اسلامی طرف داریِ نسواں' (Islamic Feminism) وغیرہ دسیوں فلسفے ہیں، جن کا کوئی نوٹس نہیں لیا گیا ہے۔ ہوسکتا ہے ان میں سے ہر ایک کا نوٹس لینے کی ضرورت نہ ہو، لیکن جو خیالات انسانی آبادی کے قابلِ لحاظ حصے کو متاثر کر رہے ہوں اور خود مسلم نوجوان بھی جن کا اثر قبول کر رہے ہوں، ان پر خاموشی ممکن نہیں ہے۔

- **مستحکم خاندان کا چیلنج:** بحث طلب موضوعات کے علاوہ اس جائزے کی بھی ضرورت ہے کہ: ہماری وہ کیا چیزیں ہیں، جن کی باقی دنیا ضرورت مند ہے اور اس میں کشش محسوس کرسکتی ہے؟ اس وقت ایک طرف ساری دنیا میں خاندان کی ضرورت کا احساس پیدا ہو رہا ہے اور دوسری طرف اسی تیزی سے ساری دنیا میں خاندان کا ادارہ زبردست ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ یاد رکھیے، خاندان، اسلام کا آخری قلعہ ہے۔ مغربی دنیا کے بعد مشرقی دنیا میں بھی خاندان کے ادارے کا قتل عام شروع ہو چکا ہے۔ جاپان اور جنوب مشرقی ایشیا تو بہت پہلے ہی شکار ہو چکے ہیں۔ اب بڑی تیزی سے چین، ہندستان، عرب اور دیگر بڑے مسلم ممالک کے شہری علاقوں میں بھی روایتی مشرقی جنسی اخلاقیات زبردست انحطاط کی شکار ہیں اور 'یک نفری خاندان' (single parent family)، بن باپ کے بچے، ہم جنس خاندان، بنا شادی کے عارضی جوڑے، وغیرہ جیسی اصطلاحات ان شہروں کے لیے اجنبی نہیں رہیں۔ مگر دوسری طرف خود مغربی ملکوں میں کئی دانش ور اب یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ: ''مستحکم خاندان کے بغیر معاشرے کی ترقی واستحکام ممکن نہیں''۔

ان حالات میں مستحکم خاندان اور خاندانی سکون، آنے والے زمانوں میں اسلام کی بہت بڑی قوت اور اسلام کی کشش کا ایک اہم سبب ثابت ہوگا، کیونکہ اس بکھری ہوئی صورتِ حال کو سنبھالنے کے لیے ویسا طاقت ور بیانیہ اور نظام دوسروں کے ہاں ناپید ہے۔ چنانچہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم خاندان کے زبردست وکیل اور عالمی سطح پر تحفظ خاندان کے طاقت ور نگہبان کے

طور پر سامنے آئیں۔ خاندان کی اہمیت پر مؤثر کتابیں لکھی جائیں اور اس بات کو مستحکم سائنسی دلائل سے ثابت کیا جائے کہ خاندان، انسانی معاشرے کی بنیادی ضرورت ہے اور یہ کہ خاندان کا بس ایک ہی مطلب ہے، اور وہ یہ ہے کہ مرد وعورت کے روایتی طور پر مخصوص صنفی اور سماجی کرداروں کو تسلیم کیا جائے اور اس بنیاد پر قانونی طور پر تسلیم شدہ مرد شوہر اور عورت بیوی مل کر اپنے بچوں کی پرورش کریں۔ نام نہاد غیر روایتی خاندان سے، خاندان کی تشکیل اور انسانی تہذیب کی تعمیر کا کوئی مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، اور خاندان کی بقا کا کوئی راستہ اسلامی اخلاقیات کے سوا ممکن نہیں ہے۔

جائزے کا ایک زاویہ یہ بھی ہونا چاہیے کہ نئے حالات میں مسلم اُمت اور خصوصاً مسلم نوجوان کو کس قسم کی رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں چند گوشوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں:

ایک اہم موضوع خود مسلم خاندان کی تفصیلات کا موضوع ہے۔ نئے حالات میں مسلم خاندان کے خدوخال کے تعیین کے لیے اسلامی فقہ اور اسلامی سماجیات، دونوں سطحوں پر اجتہادی کام کی ضرورت ہے۔ عورت کا سماجی کردار کیا ہو؟ خواتین کی تعلیمی اور کیریر کی ترجیحات کیا ہوں؟ مسلم خاندان میں میاں بیوی اور بچوں کے علاوہ دیگر رشتہ داروں سے تعلق کی کیا نوعیت ہو؟ کیا خاندان نیوکلیائی ہو یا جائنٹ، یا دونوں کے امتزاج سے کوئی نئی صورت بنے؟ حتیٰ کہ مسلم خاندان میں ٹی وی اور انٹرنیٹ کو کیا مقام ملے؟ اس کے حدود وقیود کیا ہوں؟ (کہ میڈیا ہماری انفرادی اور خانگی زندگی میں بہت بڑا حصے دار بن کر انسانی زندگی کے بہترین اوقات کا مالک بن چکا ہے)۔ اس طرح کے دسیوں موضوعات ہیں، جن پر یا تو سرے سے کام نہیں ہوا ہے، یا صرف روایتی اور چلتی باتوں کی تکرار ہو رہی ہے اور نئے حالات کے لحاظ سے اجتہادی کوششیں نہیں ہوئی ہیں، یا تفصیلی وضاحت کا فقدان ہے، یا پھر محدود دائرے میں صرف فقہی بحث ہے۔ مسائل کے سماجیاتی (sociological) اور گہرے علمی تجزیے کا فقدان تو بہرحال پایا جاتا ہے۔

عورت کے رول اور کردار پر مولانا مودودی کی کتاب پردہ اور مولانا سیّد جلال الدین عمری کی کتابیں مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، اور عورت اسلامی معاشرہ میں بڑی اہم تصنیفات ہیں۔ لیکن ان تصنیفات کے مخاطب زیادہ تر اسلام کے معترضین ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ان کتابوں میں اکیسویں صدی کی مسلمان خاتون

کے اس فعال حرکیاتی، سماجی وتحریکی کردار کی نہ جھلک ملتی ہے اور نہ اس کی توجیہ ہے، جو عملاً ہمیں ساری مسلم دنیا میں اور جماعت اسلامی کے بشمول دنیا بھر کی اسلامی تحریکات میں نظر آ رہا ہے۔

اسی طرح جناب جلال الدین عمری کی کتاب اسلام کا عائلی نظام اسلامی خاندان کے متعدد پہلوں پر قیمتی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ جسٹس ملک غلام علی نے ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور میں اور مولانا رضی الاسلام ندوی نے زندگی نو دہلی میں، ان اُمور سے متعلق بعض سوالات کے فقہی نقطۂ نظر سے جو جواب دیے ہیں، وہ بھی بہت اہم ہیں۔ اسلامی فقہ اکیڈمی دہلی کے سیمی نار میں پیش کردہ مقالات اور تجاویز بھی نہایت گراں قدر ہیں، لیکن یہ سب باتیں بہت اختصار کے ساتھ کہی گئی ہیں۔ ان متفرق باتوں میں جدید دور میں اسلامی خاندان سے متعلق کچھ اشارات ضرور ملتے ہیں، مگر ایک مفصل اور مربوط خاکہ اور تھیوری نہیں ملتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ان اشارات پر کام آگے بڑھے اور جدید حالات کے تناظر میں اسلامی خاندان کی تفصیلی ہیئت نکھر کر سامنے آئے۔

اسلامی خاندان سے متعلق ہی ایک اہم مسئلہ مسلم خواتین کے بعض مسائل اور ان مسائل کے حل کی راہ میں، مختلف مقامات پر رواجی، قبائلی اور روایتی پرسنل لا کی جانب سے درپیش رکاوٹوں کا مسئلہ ہے، جن پر ہمارے ملک کے نام نہاد روشن خیال طبقے مبالغے کے ساتھ متوجہ کرتے رہے ہیں۔ ان میں ایک اہم مسئلہ شوہر کی جانب سے بیوی پر ناروا ظلم اور اس ظلم کی صورت میں نجات کی کسی راہ کا نہ ہونا ہے۔ مولانا مودودی نے اس سلسلے میں حقوق الزوجین میں بہت جرأت مندانہ موقف اختیار کیا تھا۔ لیکن اس موقف پر کام آگے نہیں بڑھ سکا اور بات وہیں رُک کر رہ گئی ہے۔

اگرچہ ہمارے کئی زعما باوجود بے شمار مطالعات اور اعداد وشمار کے، اس مسئلے کے وجود سے ہی انکار کرتے ہیں، لیکن ہم سب کے عمومی مشاہدات بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ مسلم سوسائٹی میں یہ مسئلہ موجود ہے۔ اگر اس میں کوئی شک ہے، تو ہم خود سائنٹفک مطالعہ اور سروے کرا سکتے ہیں۔ بہر حال، اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کر سکتے، اور نہ اس مسئلے کا حل ثالثی عدالتوں سے ممکن ہے۔ نہ ان عدالتوں کی تعداد کافی ہے اور نہ پیشہ ورانہ تربیت کے بغیر قاضی ان مسائل کو حل کر سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس طرح کے مسائل کا قابلِ عمل حل، شریعت کی حدود

میں رہتے ہوئے، لیکن اجتہادی بصیرت اور جرأت کے ساتھ تلاش کیا جائے اور اسلامی تحریک اس عمل میں قائدانہ کردار ادا کرے۔ ایسا کرتے ہوئے دارالعلوموں کے مراکز فتویٰ کے جبر سے آزاد مگر قرآن وسنت کی روح کے زیر سایہ، روحِ عصر کو جرأت سے جواب اور حل بھی پیش کریں۔

اسلامی خاندان کے تعلق سے مولانا سلطان احمد اصلاحی (علی گڑھ) نے بعض اہم نظریات پیش کیے تھے۔ خاص طور پر مشترکہ خاندان اور پردیس کی زندگی سے متعلق ان کے خیالات اہمیت کے حامل تھے، لیکن ان خیالات پر بحث ومباحثہ کے بعد کسی حتمی نتیجے پر پہنچنے کی ضرورت ہے۔ خاندانی تشدد کے مسئلے پر مولانا رضی الاسلام ندوی کی کاوش قابلِ ذکر ہے۔

● عام فہم لٹریچر کی تیاری: خالص علمی اور فکری محاذ پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ ہماری ایک ضرورت یہ بھی ہے کہ ہم عام فہم عوامی لٹریچر (Popular Literature) کی تیاری پر بھی توجہ دیں۔ یہ فن آج کے مابعد جدید دور میں بہت ترقی کر چکا ہے۔ گہرے اور اونچے مضامین بھی ہلکے پھلکے بیانیوں کے ذریعے بہت مؤثر طریقے سے پیش کیے جا رہے ہیں۔ فلسفے اور روحانیت پر اوشور جنیش کی کتابیں، شخصیت کے موضوع پر ڈیل کارنیگی اور اسٹیفن کوئے کی کتابیں، معاشیات پر فرائڈ مین کی کتابیں وغیرہ ساری دنیا میں بڑے شوق کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔ کتابوں کی کسی بھی دکان میں چلے جائیے، غیر افسانوی (non-fiction) کتابوں میں سب سے زیادہ مقبول اقسام درج ذیل ہیں:

ا۔ انتظامیات، کاروباری مطالعات اور شخصیت کو بہتر بنانے کی کتابیں، ۲۔ بچوں کی معلوماتی کتابیں، ۳۔ خانہ داری، تربیت اطفال، غذا اور صحت سے متعلق خواتین کی کتابیں۔

ہمارے یہاں پاپولر لٹریچر اور خاص طور پر ان تین اقسام (categories) پر کما حقہ کام نہیں ہوسکا۔ ان تینوں اقسام میں یہ زبردست صلاحیت موجود ہے کہ اقدار، اصول اور تصورات کو عوامی سطح پر ان کے ذریعے مقبول بنایا جاسکتا ہے۔ خواتین کے لٹریچر میں ایک زمانے میں ماہنامہ بتول لاہور نے اچھا کام کیا تھا۔ محترمہ حمیدہ بیگم، پروفیسر بنت الاسلام اور نیر بانو نے اس ضمن میں شان دار کام کیا تھا۔ لیکن ایک عرصے سے یہ محاذ خالی ہوتا جا رہا ہے اور سطحی افسانوی ادب کے علم بردار رسالوں اور ان کے اشاعتی اداروں نے اس محاذ پر قبضہ جما رکھا ہے۔ ہمارے حلقہ

ہاے خواتین کو بھی اس مسئلے پر توجہ دینی چاہیے اور تحریک کو بحیثیت مجموعی اس پر متوجہ ہونا چاہیے۔

اسی طرح بچوں کے لٹریچر کی تیاری بہت پِتّا ماری کا کام ہے۔ اب بچوں کا ذوق بہت بلند ہو چکا ہے۔ وہ صرف کہانیوں کی کتابیں نہیں پڑھتے، بلکہ چھے سات سال کے بچے بھی اُونچی معلوماتی کتابیں پڑھنے لگے ہیں۔ ان کی کتابوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ کاغذ کی قسم اور طباعت کے معیار کے اعتبار سے بھی اعلیٰ درجے کی ہوں اور معنوی خصوصیات کے اعتبار سے بھی مثالی۔ یاد رہے کہ مارکیٹ میں بچوں کے لیے کتابوں کی بڑی وسیع دنیا موجود ہے۔ مغربی تہذیب کے ساتھ اب اس محاذ پر عیسائی اور ہندو ادارے بھی خاصے سرگرم ہیں۔ کتابوں کی دکانوں پر ان کی پُرکشش اور دیدہ زیب کتابیں بچوں کو للچاتی ہیں۔ ہندستان میں ثانی اثنین خان کے ادارہ گڈورڈ پبلی کیشنز نے اور عالمی سطح پر عبدالملک مجاہد [پ:۱۹۵۱ء] کی سربراہی میں ساؤنڈ وژن، شکاگو نے اچھی ابتدا کی، لیکن یہ ازحد ضروری ہے کہ تحریکاتِ اسلامی بھی اس پر بھرپور توجہ دیں۔ گذشتہ صدی کے پانچویں عشرے کے دوران مائل خیرآبادی، بنت الاسلام اور طالب الہاشمی وغیرہ نے اردو میں، اور پھر ساتویں عشرے میں خرم مراد [۱۹۳۲ء-۱۹۹۶ء] نے انگریزی میں بچوں کے لیے لٹریچر تیار کرنے کی خاطر 'دی اسلامک فاؤنڈیشن'، برطانیہ میں بامعنی قدم اُٹھایا تھا، مگر بعدازاں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوسکی۔ یاد رہے، بچوں کے لٹریچر میں تازگی کا احساس اور عصری حوالوں کا وجود ازحد ضروری ہے۔

مسابقت کی دوڑ، شہری زندگی کے تناؤ اور روحانی پیاس نے آج دنیا بھر میں اُس لٹریچر کو بہت مقبول بنایا ہے، جسے ذاتی بہتری (self improvement) کا لٹریچر کہا جاتا ہے۔ دل نشیں زبان اور پُرکشش پیرائے میں زندگی کی تنظیم کے اصول اور نظریات بیان کیے جاتے ہیں اور قصوں، تمثیلوں، لطائف وغیرہ کے ذریعے مشکل فلسفوں کو نہایت آسان کر دیا جاتا ہے۔ یہ کتابیں تھکے ماندے ذہنوں کے لیے تفریح بھی فراہم کرتی ہیں اور ان کی مصروف اور تناؤ سے پُر زندگیوں کی اُلجھنوں کو دُور کرنے کا کام کرتی ہیں۔

اسلامی علمی تاریخ میں سعدی شیرازی [۱۲۱۰ء-۱۲۹۲ء] اور مولانا جلال الدین رومی [۱۲۰۷ء-۱۲۷۳ء] نے اس فن کو انتہائی بلندی تک پہنچایا تھا۔ ماضی قریب میں گرو اوشو رجنیش

[۱۹۳۱ء-۱۹۹۰ء] نے اسی طرزِ بیان کے ذریعے اپنے خیالات کو ساری دنیا میں پھیلا دیا۔ آج ساری دنیا میں اس طرح کا لٹریچر مقبول ترین لٹریچر بن چکا ہے اور ہوائی جہازوں سے لے کر پارکوں اور دفتروں تک، ہر جگہ لوگ اس طرح کی کتابیں پڑھتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسلامی حلقوں میں عربی زبان میں اس طرح کی کتابوں کا رجحان شروع ہوا ہے، لیکن اردو اور انگریزی میں اس پر توجہ ہونا ابھی بھی باقی ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ ایمان اور دعوت، انصاف اور تہذیب، شرفِ انسانی کو پروان چڑھانے اور قرآن وسنت سے دنیا کو جوڑنے کے لیے یہ اُمور مرکزیت رکھنے کے باوجود، غالبًا ثانوی درجے ہی میں کہیں دُور دکھائی دیتے ہیں، یا پھر سرے سے نگاہوں سے اوجھل۔

کیا اس صورت میں غالب اور حاکم تہذیب وتمدن کا جواب دینا ممکن ہے؟

رُوئے زمین کو انسان دوست ماحول میں بدلنے کے لیے آسان نسخہ

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد! گفتند کہ برہم زن!
بانشہ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن

علامہ اقبال

مُقدّمہ

سِیرَۃ اِمَامِ الْمُرسَلِین ﷺ

ساجد محمود مسلم

اگرچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک دور کے بعد پیدا ہوئے، مگر اس کے باوجود آپ کو اکابر تابعین جیسا مقام حاصل تھا، جس کا سبب علم وحلم میں آپ کا وفور وکمال تھا۔ آپ کو آپ کے تمام معاصر علماء حدیث نے اپنا امام تسلیم کیا۔ جیسا کہ امام قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ساری دنیا کے امام ہیں۔ (39) امام ابو حاتم محمد بن ادریس الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بارے فرمایا کہ وہ (علمِ حدیث کے) امام اور (فن اسماء الرجال میں) حجت ہیں۔ (40) معلوم ہوا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دس لاکھ احادیث کے صرف حافظ ہی نہیں تھے بلکہ آپ فنِ اسماء الرجال کے بھی بے مثال ماہر تھے۔ احادیث کی صحت و سقم کو خوب جانتے تھے۔ امام ابو حاتم الرازی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ صحیح اور ضعیف احادیث کی معرفت میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ (41)

اسی پر بس نہیں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حفظِ حدیث اور معرفتِ حدیث کے ساتھ فقہ الحدیث کے ایسے مجدّد و مجتہد امام تھے جس کی کوئی نظیر صحابہ کرامؓ کے بعد چشمِ فلک نے نہیں دیکھی۔ امام ابو عبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ (م۲۲۴ھ) فرماتے ہیں کہ علمِ حدیث کی انتہا چار ائمہ (امام احمدؒ، امام علی بن عبداللہ المدینیؒ، امام یحییٰ بن معینؒ، امام ابوبکر ابن ابی شیبہؒ) پر ہوتی ہے، جبکہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان سب میں سب سے بڑے فقیہ ہیں۔ (42) مجتہد مطلق امام ابو ثور ابراہیم بن

خالد رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ، امام سفیان الثوری رح سے بھی بڑے عالم یا فقیہ ہیں۔(43) امام ابوزرعہ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ جامع و کامل شخصیت نہیں دیکھی، آپ میں زہد، فضل، فقہ اور دوسری بہت سی صفات جمع تھیں۔(44) محدث مہنا بن یحیٰی الشامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ تمام قسم کی خیر کا جامع نہیں دیکھا، میں نے امام سفیان بن عیینہ، امام وکیع بن الجراح، امام عبدالرزاق الصنعانی، امام بقیہ بن الولید اور امام ضمرہ بن ربیعہ رحمۃ اللہ علیہم کو دیکھا ہے، مگر علم، فقہ، زُہد اور تقویٰ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ جیسا کوئی نہیں دیکھا۔(45)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و مناقب بے شمار ہیں، جن کا احاطہ کرنا غیر ممکن ہے۔ محدث ابوالعباس محمد بن حسین الانماطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مجلس میں تھے جس میں امام یحیٰی بن معین رح، امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب رح اور اکابر علماء کی ایک جماعت موجود تھی، وہ سب امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف اور فضائل بیان کر رہے تھے، ایک شخص کہنے لگا کہ ایسی باتیں زیادہ مت کریں۔ اس پر امام یحیٰی بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کیا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت سے تعریف بیان کرنا زیادتی ہے؟ اگر ہم اپنی ساری مجلسوں میں صرف ان کی تعریف ہی بیان کرتے رہیں تو بھی ان کے مکمل فضائل بیان نہیں کر سکتے۔(46) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے مناقب مستقل کتابی شکل میں جمع کرنے کا شرف متعدد علماء نے حاصل کیا ہے، جن میں امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی (م ۳۶۰ھ)، امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رح (م ۴۵۸ھ)، امام ابواسماعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الہروی رح (م ۴۸۱ھ)، امام ابومحمد عبداللہ بن یوسف الجرجانی رح (م ۴۸۹ھ)، امام ابوالحسین محمد بن ابویعلیٰ البغدادی رح (م ۵۲۶ھ)، امام ابوزکریا یحیٰی بن عبدالوہاب ابن مندہ الاصبہانی (م ۵۴۱ھ)، امام ابولفرج عبدالرحمٰن بن علی ابن الجوزی رح (م ۵۹۷ھ) اور امام محمد بن احمد الذہبی رح (م ۷۴۸ھ) کے اسماء اعلام سرِ فہرست ہیں۔ (47)

المسند کی تدوین سے پہلے عام رواج تھا کہ محدثین خاص خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی احادیث جمع کرتے تھے، شام کے محدثین نے شام میں بسنے والے صحابہ کی مرویات جمع کرنے کا کام سرانجام دیا، حجازی محدثین نے حجاز میں رہنے والے صحابہ کی احادیث اکٹھی کیں، جبکہ امام احمد رح

نے تمام بلادِ اسلامیہ میں بکھرے ہوئے تقریباً سبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم حاصل کیا اور اسے المسند کا حصہ بنایا، یوں المسند تمام جید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کا مجموعہ ہے۔ ان جید صحابہ کی احادیث جمع کرنے کے لیے آپ نے بلادِ اسلامیہ کے تمام معروف مراکز حدیث کا سفر کیا اور وہاں کے محدثین عظام سے کسب فیض کیا، حجاز مقدس، بصرہ، کوفہ، دمشق، یمن وغیرہ کے سفروں کا تذکرہ آپ کی سوانح میں ملتا ہے، حج کے موقع پر اکثر محدثین مکہ میں جمع ہوتے تھے، اس لیے آپ نے پانچ بار حجاز مقدس کا سفر کیا، حج کی سعادت کے ساتھ ساتھ طلب حدیث کا فریضہ بھی ادا کرتے۔ اس طرح آپ کے پاس ان تمام جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علم جمع ہو گیا، جن سے تابعین نے کسب فیض کیا(48)۔ اس وفورِ علم کے سبب آپ کا مجموعہ حدیث تمام سابقہ مجموعوں سے سبقت لے گیا، بلکہ آپ کے بعد بھی کوئی آپ کے درجہ کمال کو نہ پہنچ سکا۔ یہی وجہ ہے کہ مسند احمد حدیث کے تمام اصلی مجموعوں میں سے سب سے زیادہ مبسوط اور ضخیم ہے(49)۔ المسند میں وہ سب کچھ ہے جس کی ضرورت ایک مؤمن و مسلم کو دنیا و دین کے لیے لاحق ہو سکتی ہے، المسند سنت و سیرت کا جامع ترین ماخذ ہے۔ علم حدیث کا کوئی ایسا باب نہیں جو المسند میں شامل نہ ہو سکا ہو۔ المسند موضوع وار ترتیب نہیں دی گئی بلکہ اس میں صحابہ کرام کی عمومی ترتیب فضیلت پر احادیث جمع کی گئی ہیں، سب سے پہلے خلفائے راشدین کی علیٰ ترتیب الفضیلت احادیث آتی ہیں، پھر بقیہ عشرہ مبشرہ کی اور پھر بنو ہاشم کی اور پھر مکثرین فی الحدیث صحابہ کرامؓ کی احادیث۔ علیٰ ہٰذا القیاس، المسند میں ایک صحابی سے مروی تمام احادیث ایک ہی جگہ اکٹھی بیان کی گئی ہیں۔ المسند کی اس ترتیب میں بہت بڑی حکمت ہے، المسند کا متداول نسخہ چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے، اگر امام احمد اسے موضوع وار ترتیب دیتے تو اس کی ضخامت کم از کم پانچ گنا بڑھ جاتی۔ یہ کوئی مفروضہ نہیں بلکہ حقیقت ہے، حسن البنّا مصری شہید کے والد محترم احمد عبدالرحمٰن البنّا الساعتی نے عصر حاضر میں المسند کو موضوع وار ترتیب دیا ہے، اس موضوعاتی ترتیب پر تالیف کا نام انھوں نے الفتح الربانی فی ترتیب المسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی رکھا ہے۔ اس موضوع وار ترتیب و تالیف کی چوبیس جلدیں ہیں(50)۔ بظاہر تو موضوع وار ترتیب سے احادیث کو سمجھنے میں سہولت پیدا ہو گئی ہے، مگر ضخامت اس قدر بڑھ جانے کی وجہ سے اس کا مطالعہ کئی گنا دشوار ہو گیا ہے، جبکہ امام

احمد کی ترتیب مطالعہ کے لیے نسبتاً آسان ہے۔ جدید کمپیوٹر ٹیکنالوجی نے مسند احمد سے استفادہ مزید آسان بنادیا ہے۔ ادارہ بیت الافکار الدولی (سعودی عرب) نے المسند کا الف بائی اشاریہ شائع کردیا ہے جس کی مدد سے کسی زیر تحقیق موضوع سے متعلق احادیث المسند میں آسانی سے تلاش کی جاسکتی ہیں۔ حدیث کا کوئی ٹکڑا یاد ہوتو اسے المسند سے تلاش کرنا آسان ہوگیا ہے۔

یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ المسند تمام احادیث رسولؐ کی جامع ہے، تاہم یہ دعویٰ درست ہے کہ کوئی اہم دینی موضوع ایسا نہیں جس کا ذکر مسند کی احادیث میں موجود نہ ہو۔ کوئی ایسی اہم حدیث مسند سے خارج نہیں جس کا جاننا تکمیل ایمان کے لیے ضروری ہو یا جس کے بغیر علم فقہ ناقص رہ جاتا ہو۔ غرض مسند امام احمد عقیدہ وعمل دونوں کے لیے کامل رہنما ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ کامل طور پر مسند میں شامل ہے، چونکہ نبی ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے، اس لیے مسند احمد کو معنوی طور پر دوسرا قرآن کہا جاسکتا ہے، اگرچہ اس کی استنادی حیثیت قرآن کے مساوی نہیں، مگر قرآنی تعلیمات کی جامع ترین تشریح المسند میں موجود ہے۔ اسی لئے راقم الحروف نے قرآن کے بعد سب سے زیادہ انحصار المسند پر کیا ہے۔

المسند کے بعد احادیث کے کئی مجموعے مدوّن ہوئے، جن میں سب سے نمایاں مجموعے صحاحِ ستہ کے نام سے معروف ہیں۔ صحاحِ ستہ میں سب سے اعلیٰ مقام امام بخاری کی الجامع الصحیح اور امام مسلم کی الجامع الصحیح کو حاصل ہے، علماء کا اتفاق ہے کہ قرآن کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتابیں یہ مذکورہ کتابیں ہیں (51)۔ تاہم یہ دونوں کتابیں تمام مقبول احادیث کی جامع نہیں ہیں، یہ وصف وشرف تو صرف اور صرف مسند احمد ہی کو حاصل ہے۔ اوپر مذکور ہوا کہ امام احمد بن حنبل نے المسند میں صرف مقبول احادیث جمع کی تھیں، شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ حنبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے المسند میں حدیث کی قبولیت کے لیے جو شرائط عائد کی ہیں، وہ ان شرائط سے اعلیٰ واجود ہیں جو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب السنن میں اختیار کی ہیں (52)۔ حق یہ ہے کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کسی متہم بالکذب راوی کی کوئی حدیث المسند میں شامل نہیں، لہٰذا امام الحدیث حافظ ابوالعلا ہمدانی نے تصریح کی ہے کہ امام احمد کی مرویات میں کوئی موضوع روایت شامل نہیں (53)۔ امام ابوبکر جلال الدین السیوطیؒ اپنی عظیم تالیف جامع الکبیر کے مقدمہ میں فرماتے

ہیں: و کل ما کان فی مسند احمد فھو مقبول فان الضعیف الذی فیه یقرب الحسن (54) ''مسند امام احمد کی تمام احادیث مقبول احادیث ہیں، اگر اس میں کوئی ضعیف حدیث ہے بھی صحیح تو وہ بھی حسن درجہ کی ہے۔''

امام زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقیؒ اور امام ابن الجوزی الحنبلیؒ رواۃ پر جرح میں متشدد مشہور ہیں، انھوں نے مسند احمد کی بعض روایات کو موضوع قرار دیا تو امام احمد بن علی ابن حجر العسقلانی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ سے نہ رہا گیا اور انھوں نے المسند کی حمایت و نصرت میں مستقل رسالہ لکھ دیا جس کا نام القول المسدّد فی الذبّ عن مسند الامام احمد ہے، اپنی اس تالیف لطیف میں امام ابن حجر عسقلانی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ مسند احمد میں کوئی موضوع حدیث شامل نہیں۔(55)۔ امام ابن حجر العسقلانیؒ، علامہ العراقیؒ کی ذکر کردہ نو موضوع روایات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم نشرع الآن فی الجواب عن الاحادیث التسعة التی اوردھا واقتصر علیھا، و نجیب عنھا اولا من طریق الاجمال بان الاحادیث التی ذکرھا لیس فیھا شیء من احادیث الاحکام فی الحلال والحرام والتساھل فی ایرادھا مع ترك البیان بحالھا شائع، و قد ثبت عن الامام احمد و غیرہ من الائمة انھم قالوا: اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا، و اذا روینا فی الفضائل و نحوھا تساھلنا، و ھکذا حال ھذہ الاحادیث۔(56)

''اب ہم ان نو احادیث کے بارے جواب دیتے ہیں جو امام العراقیؒ نے بیان کی ہیں اور ان کے علاوہ اور کسی حدیث کو انھوں نے موضوع نہیں کہا۔ ہم پہلے ان کا اجمالی جواب دیتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مذکورہ احادیث میں حلال وحرام کے احکام بیان نہیں ہوئے اور اس قسم کی احادیث کو ان کی اسنادی حیثیت واضح کیے بغیر بیان کرنے کا عام رواج ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر ائمہ حدیث کا یہ قول ثابت ہے: 'جب ہم حلال و حرام کے بارے میں احادیث بیان کرتے ہیں تو اسناد میں شدت سے کام لیتے ہیں

اور جب ہم فضائل یا ان جیسی دوسری اشیاء کے بارے روایت کرتے ہیں تو نرمی سے کام لیتے ہیں۔' مذکورہ احادیث اسی (دوسری) قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔''

یہ درست ہے کہ مسند کی ہر حدیث کا درجہ صحیحین کے مساوی نہیں، مگر اس کی اکثر احادیث صحیحین کے معیار کی ہیں، اس کی جو روایات اس معیار کی نہیں ہیں، وہ سنن اَربعہ (سنن ابی داوٗد، جامع الترمذی، سنن النسائی، سنن ابن ماجہ) کے معیار کی ضرور ہیں، بلکہ بعض ایسے ضعیف و مجروح راوی بھی ہیں جن کی روایات کتب سنن میں شامل ہیں مگر امام احمد نے ان سے روایات لینے سے گریز کیا ہے۔(57)

غرض مسند امام احمد کا درجۂ استناد اتنا اعلیٰ ہے کہ اسے صحاح میں شمار کیا جا سکے، جیسا کہ علامہ صدیق حسن خان القنوجیؒ (م ۱۳۰۷ھ) نے الحِطّة فی ذکر الصحاح السِتّة میں صراحت کی ہے کہ قوت وصحت کے اعتبار سے کتبِ حدیث کے پہلے طبقہ میں صحیحین اور مؤطا امام مالکؒ شامل ہیں۔ اس کے بعد دوسرا طبقہ سننِ اربعہ اور مسند امام احمد پر مشتمل ہے۔(58)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مسند احمد کا درجہ استناد اس قدر اعلیٰ ہے تو اسے صحاحِ ستہ میں شمار کرنے پر اتفاقِ رائے کیوں نہیں پایا جاتا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے جو مسند اپنے بیٹے امام عبداللہؒ کو اِملا کرائی تھی، انھوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد اس میں مزید روایات کا اضافہ کیا، جن میں اپنے والد سے سنی ہوئی روایات بھی تھیں اور اپنے دوسرے شیوخ سے سنی ہوئی روایات بھی۔ امام عبداللہ کے شاگرد ابوبکر جعفر القطیعی جو المسند کے ناقل ہیں، انھوں نے بھی اس میں مزید روایات شامل کیں۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے وضاحت کی ہے کہ ابوبکر جعفر القطیعیؒ کی شامل کردہ روایات کا ایک بڑا حصہ موضوع روایات پر مشتمل ہے(59)۔

آج جو مسند ہمارے پاس موجود ہے، اس کے بارے میں محدث العصر علامہ ناصر الدین الالبانیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ اس میں ابوبکر جعفر القطیعیؒ کی کوئی زیادات پائی نہیں جاتیں۔ عبدالرحمٰن الساعاتی نے الفتح الربانی میں جن احادیث کو زیادات القطیعی قرار دیا ہے، ان کے بارے علامہ الالبانی فرماتے ہیں: تبین لی انها کلها لیست من زیادات القطیعی فی شیء، و انها من زیادات عبدالله بن احمد (60) ''مجھ پر یہ واضح ہوا کہ ان میں سے کوئی

بھی ابوبکر القطیعی کی زیادات نہیں ہیں بلکہ وہ سب عبداللہ بن احمد کی زیادات میں سے ہیں۔''

علامہ الالبانیؒ کی تحقیق کے علی الرغم، متقدمین میں سے بہت سے علماء کی رائے یہی ہے کہ المسند میں ابوبکر القطیعیؒ کی زیادات موجود ہیں۔ تاہم ان زیادات کی تعداد دس کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ امام ابن تیمیہؒ اور دیگر متقدمین کے زیرِ استعمال المسند کا جو نسخہ تھا، اس میں زیادات القطیعی پائی جاتی ہوں۔ بہرکیف القطیعی کی موضوع روایات کی بنا پر المسند کو صحاح میں شمار نہیں کیا جاتا، اگرچہ خود امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی مرویات صحاح میں شامل ہونے کے لائق ہیں مسند کی اسناد سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کونسی احادیث امام احمد کی مرویات ہیں اور کونسی امام عبداللہ بن احمد کی۔ امام احمدؒ نے اپنے بیٹے امام عبداللہ سے فرمایا تھا: احتفظ بھذا المسند، فانہ سیکون للناس اماما ''المسند کو خوب اچھی طرح یاد کرلو، یہ عنقریب لوگوں کی امام ہوگی''۔(61)

فی الواقع المسند میں صحاحِ ستہ کی چند ایک احادیث کے سوا باقی سبھی احادیث شامل ہیں، صحاحِ ستہ کی وہ احادیث جو المسند میں شامل ہونے سے رہ گئی ہیں، ان کا تناسب ایک فیصد سے بھی کم ہے، اس لحاظ سے المسند کو صحاحِ ستہ کی ماں کہا جاسکتا ہے۔ یوں المسند کے امامُ الناس ہونے کا قول پورا ہو جاتا ہے۔ امام ابوالحسین علی بن محمد الیونینیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے صحاحِ ستہ حفظ کی ہیں؟ انہوں جواب میں فرمایا: ''میں نے صحاح ستہ حفظ کی بھی ہیں اور نہیں بھی کی۔'' سائل نے کہا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: ''میں نے مسند احمد حفظ کی ہے، صحاح ستہ کی صرف چند احادیث ہی مسند میں شامل نہیں ہوسکیں، جب کہ ان احادیث کی اصل بھی مسند میں موجود ہے۔ اس اعتبار سے میں نے گویا صحاح ستہ حفظ کرلی ہیں۔''(62)

المسند اس اعتبار سے بھی امام الناس ہے کہ فقہائے اُمت نے جن احادیث سے شریعت کے احکام اخذ کیے ہیں، وہ سبھی المسند میں موجود ہیں، اُمت آج جن ائمۂ کرام کے اجتہادی مذاہب کی پیروہے، وہ سب قرآن حکیم کے بعد انہی احادیث سے ہدایات حاصل کرتے رہے ہیں، جو المسند میں جمع ہیں۔ یہی سبب ہے کہ اپنے زمانۂ تالیف سے لے کر آج تک المسند کو ائمۂ حدیث وفقہ کے نزدیک تلقّی بالقبول حاصل رہا ہے، بلا مبالغہ ہزاروں خوش نصیبوں نے المسند کو ابتدا سے آخر تک ایسے حفظ کیا ہے جیسے قرآن حکیم کو حفظ کیا جاتا ہے، ایسے خوش نصیبوں کا مفصل

تذکرہ امام شمس الدین محمد بن احمد الذہبیؒ کی تالیف لطیف ''تـذکـرۃ الحُفّاظ'' میں دیکھا جا سکتا ہے۔ امام ابوالخیر محمد بن محمد ابن الجزریؒ (م ۸۳۳ھ) مسند امام احمد کے بارے فرماتے ہیں:
و ھو کتاب لم یُرو علی وجہ الارض کتاب فی الحدیث اعلٰی منہ (63) ''یہ ایسی کتاب ہے کہ علم الحدیث میں اس سے اعلیٰ کتاب روئے زمین پر نہیں دیکھی گئی۔''

امام ابوالخیر محمد بن محمد ابن الجزریؒ نے المسند کے بارے میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''میں نے یہ کتاب ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے جمع اور منتخب کی ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی سنت کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو وہ اس کی طرف رجوع کریں، اگر اس میں وہ حدیث مل جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ حجت نہیں۔'' (64) امام ابن الجزریؒ اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس سے امام احمدؒ کی مراد حدیث کے بنیادی متون ہیں، غالب احادیث ایسی ہیں کہ ان کی اصل (متن) مسند احمد میں لازماً موجود ہیں۔'' (65)

صحاحِ ستہ کے بجائے المسند کے بارے میں اس ساری تفصیل کا پہلا سبب یہ ہے کہ المسند صحاحِ ستہ کی احادیث کو محیط ہے، جیسے کہ اوپر مذکور ہے، المسند کا دِفاع اصلاً رسول اللہ ﷺ کے اقوال و افعال کا دفاع ہے، یہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا دفاع ہرگز نہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مقبول احادیث کا ضخیم ترین مجموعہ ہونے کی وجہ سے زیرِ نظر کتاب کا دوسرا بڑا ماخذ مسند احمد ہے، لہٰذا میرا فرض تھا کہ میں اس کی اسنادی حیثیت واضح کردوں، الحمدللہ میں فرض سے سبکدوش ہوگیا۔ مسند احمد کے ماخذ ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں نے صحاحِ ستہ سے استفادہ نہیں کیا، حاشا وکلا ایسا نہیں، صحاحِ ستہ کی جو احادیث المسند میں شامل نہیں ہوسکی ہیں، ان کے لیے صحاحِ ستہ ہی کی طرف رجوع کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ صحاح کے بغیر سیرت النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا موضوع اپنے کمال کو کیسے چھو سکتا ہے۔

علم الرجال

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہ امتیازی وصف ہے کہ اس نے اپنے نبی مرسل محمد عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت و سیرت اور سوانح کی حفاظت کے لیے ان تمام انسانوں کے احوال قلمبند کیے ہیں، جنھوں نے نبی اکرم ﷺ سے منسوب کر کے کوئی روایت بیان کی ہے۔ رُواۃ کی روایات کو جانچنے کے لیے

کہ آیا وہ صحیح ہیں یا ضعیف؟ اگر ضعیف ہیں تو ضعیف حسن درجہ کی ہیں یا ضعیف متروک کے درجہ کی؟ غرض احادیث وروایات کے مقبول یا مردود ہونے کا فیصلہ کرنے کے لیے علمائے اسلام نے تقریباً پانچ لاکھ انسانوں کے ضروری احوال جمع کیے(66)۔جن میں ان کے صدق وکذب، تاریخ ولادت ووفات اوران کے اساتذہ وتلامذہ کے نام وغیرہ شامل ہوتے ہیں، تاکہ واضح ہوجائے کہ انھوں نے کس کس سے روایت سُنی، کن سے بیان کی؟ کن شخصیات سے ان کی ملاقات وسماع ممکن تھا اور کن سے نہیں۔ رُواۃِ حدیث کے بارے میں اس مفصل علم وفن کو علم الرجال کہتے ہیں۔

علم الرجال بھی ابتداً صرف سینوں میں محفوظ تھا، یہاں تک کہ امام اہل السنہ علی الاطلاق احمد بن حنبلؒ کا دور آیا اور علم الرجال بھی ضبط تحریر میں لانے کا رواج ہوا۔علم الرجال کی ابتدائی کتب درج ذیل تھیں:

☆ العلل و معرفة الرجال امام احمد بن حنبل الشیبانیؒ (م۲۴۱ھ)۔☆ التاریخ ایضاً۔ ☆ التاریخ و العلل امام ابوزکریا یحییٰ بن معین البغدادیؒ (م۲۳۳ھ)۔ ☆ معرفة الرجال ایضاً۔ ☆ التاریخ امام ابوخیثمہ زہیر بن حرب البغدادیؒ (م۲۳۴ھ)۔ ☆ التاریخ امام ابوالحسن علی بن عبداللہ المدینیؒ (م۲۳۴ھ)۔ ☆ التاریخ الکبیر امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل البخاریؒ (م۲۵۶ھ)۔ ☆ التاریخ الصغیر ایضاً ☆ التاریخ الاوسط ایضاً۔ ☆ کتاب العلل ایضاً۔☆ کتاب الجرح و التعدیل امام ابوحاتم عبدالرحمٰن بن الرازی (م۳۲۷ھ)۔ ☆ کتاب العلل امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری (م۲۶۱ھ)۔ ☆ کتاب فی الرجال امام ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانی (م۲۷۵ھ) ☆ التاریخ و علل الرجال امام ابوزُرعہ الدمشقی (م۲۸۱ھ)

مذکورہ بالا کتب میں سے اکثر کتب آج بھی مطبوعہ موجود ہیں اور عالم اسلام میں دستیاب ہیں۔ بعد میں امام عبدالغنی بن عبدالواحد المقدسی الحنبلی رحمۃ اللہ علیہ (م۶۰۰ھ) نے سلف کی ان سبھی کتب کا علم یکجا کرنے کا اہتمام کیا اور علم الرجال کی مبسوط ترین کتاب ''الکمال فی اسماء الرجال'' تالیف کی، اس کتاب میں لاکھوں انسانوں کے احوال جمع کردیے گئے ہیں، اس اعتبار سے اس کتاب کی کوئی نظیر علم الرجال میں موجود نہیں۔ اس کتاب کے بعد جتنی بھی کتب اسماء

الرجال پر لکھی گئی ہیں سب اسی کتاب 'الکمال' سے ماخوذ ہیں۔ تہذیب الکمال (یوسف بن عبدالرحمٰن المزی)، تذہیب تہذیب الکمال (شمس الدین محمد بن احمد الذہبی)، میزان الاعتدال (الذہبی)، تہذیب التہذیب (ابن حجر عسقلانی)، تقریب التہذیب (العسقلانی) وغیرہ درحقیقت الکمال فی اسماء الرجال کے مختلف اختصارات ہیں(67)۔ مذکورہ کتب میں سب سے مختصر تقریب التہذیب ہے، اس میں بھی تقریباً آٹھ ہزار رجال کے حالات مختصراً بیان کیے گئے ہیں(68)۔

مقصود بیان یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے منسوب ہر روایت کی تحقیق آج اسی طرح ممکن ہے جس طرح تابعین کے دور میں ممکن تھی، حفاظت علم نے زمانی بعد کو یکسر بے معنی کر دیا ہے، تاہم تحقیقِ حدیث ہر کس و ناکس کا کام نہیں بلکہ یہ ذمہ داری علم الرجال کے ماہرین کے کندھوں پر ہے۔ اس فن سے نابلد اگر کسی حدیث کے مقبول یا مردود ہونے فیصلہ کریں گے تو وہ اسی طرح ناقابل قبول ہوگا جیسے کسی طبی مسئلہ میں اطباء کی بجائے کسی غیر کا فیصلہ نامقبول ہوتا ہے۔ الحمدللہ ہم اہل اسلام، تحقیق حدیث کے لیے کسی غیر مسلم کے محتاج نہیں، بلکہ اس کے لیے ہمیں مسلم علمائے حدیث کافی ہیں۔

تعارض اور اس کے اسباب

بسا اوقات روایات میں باہم اختلاف و تعارض محسوس ہوتا ہے، اس تعارض کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں، جن میں سے بعض اہم اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ بعض اوقات روایت میں قلّت فہم کے سبب ظاہراً تعارض محسوس ہوتا ہے، مگر فی الحقیقت ان کے معانی و مطالب میں تعارض نہیں ہوتا۔

۲۔ بعض اوقات متعارض روایت میں سے ایک روایت قوی ہوتی ہے جبکہ اس کے مقابل روایت ضعیف ہوتی ہے، اس روایت کا ضعف یا تو راوی کے ضعف حافظہ کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ اصل واقعہ بھول جاتا ہے یا یہ ضعف راوی کے کذاب (جھوٹا) ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ وہ عمداً روایت میں دروغ گوئی سے کام لیتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات متعارض روایات بظاہر صحت کے ایک ہی درجہ پر جائز ہوتی ہیں، مگر ایک رویات کا ثقہ راوی واقعہ کی بعض جزئیات میں کسی وہم کے سبب غیر ارادی طور پر غلطی کر جاتا ہے، جس سے سنداً روایات میں تعارض پیدا ہو جاتا ہے۔

۴۔ بعض اوقات متعارض روایات سند ومتن دونوں کے اعتبار سے صحیح ہوتی ہیں، اس صورت میں احتمال ہوتا ہے کہ ایک روایت قدیم حکم کو ظاہر کرتی ہے، جبکہ دوسری جدید حکم کو۔ گویا ایک روایت ناسخ ہوتی ہے دوسری منسوخ۔

۵۔ بعض اوقات سند ومتن کے اعتبار سے صحیح روایات میں تعارض اس سبب سے محسوس ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خاص عمل متعدد طریقوں سے سرانجام دینے کی جازت دی ہوتی ہے، تا کہ اُمت کو وہ عمل سرانجام دینے میں سہولت رہے۔ (69)

حل تعارض

تعارضِ روایات کا کوئی بھی سبب ہو، اس کا قابل اطمینان و اعتماد حل، اہل فن ہی بتلا سکتے ہیں۔ چنانچہ جب متعارض روایات سامنے آئیں تو اس بارے میں خودرائی کی بجائے فقہاء ومحدثین کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ مذکورہ بالا اسباب بظاہر تو بہت سادہ معلوم ہوتے ہیں مگر فی الحقیقت ان کی بنیاد میں نہایت دقیق مباحث پوشیدہ ہیں، جن کو اہل فن ہی کما حقہ سمجھ سکتے ہیں، علومِ دینیہ سے محروم عام لوگ ان اَدَق وثقیل مباحث کو سمجھنے سے ہی قاصر ہیں اس لیے تعارضِ روایات کے حل کے لیے فقہا ومحدثین سے رہنمائی حاصل کرنا لازمی و لابدی ہے۔ (70)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّکۡرِ اِنۡ کُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ O (النحل:۴۳)

''اگر تمہیں علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ دیکھو۔

(لوگو) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے (اور) تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مؤمنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔ (القرآن)

قانون توہین رسالت کے خلاف سازشیں

محمد فہیم
تیمر گرہ ضلع دیر (لوئیر)

وطن عزیز میں اسلامی قوانین کے نفاذ اور دینی شعائر کے خلاف دین بے قرار لوگوں اور نام نہاد لبرل دانشوروں اور آزاد خیالوں کی جسارتوں کا مشاہدہ تو آئے دن ہوتا رہا ہے۔ تاہم موجودہ حالات میں قانون توہین رسالت / توہین مذہب (Blasphemy) کے خلاف سازشوں میں بین الاقوامی سطح پر جو اُبال آیا ہے اس کی حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

پاکستان میں ممتاز قادری کی سزائے موت کے بعد بین الاقوامی میڈیا سے متعلق مختلف چینلز سے یہ آواز آنی شروع ہوچکی ہے کہ توہین مذہب (Blasphmey) سے متعلق جتنے بھی قوانین جہاں بھی نافذ ہیں ان کو یا تو ختم کیا جائے یا ان میں ترامیم کر کے ان کو غیر مؤثر بنایا جائے۔ ظاہر ہے اس مشن کے پیچھے مخصوص قوتیں ہیں جو اپنے شیطانی ایجنڈے کو دنیا اور خصوصاً مسلم ممالک پر مسلط کرنے کے لیے اسلامی اور اخلاقی قوانین کو اپنی راہ میں مزاحم سمجھتی ہیں۔ 9/11 اور WMD جیسی چیزوں کو بہانہ بنا کر طاغوتی طاقتیں مسلمان ممالک پر قبضہ کے ساتھ ساتھ ان کے قدرتی وسائل کو لوٹنے اور لاکھوں مسلمانوں کے قتل کے ارتکاب کے علاوہ ایک لامتناہی اندرونی جنگ شروع کروانے میں کامیاب ہوچکی ہیں جس میں تباہی صرف اور صرف مسلمانوں کی ہورہی ہے۔

مسلم امہ بحیثیت امت باقی نہیں رہی۔ خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد مسلم دشمن

طاقتوں نے اس اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اُمت مسلمہ کو 5 درجن سے زیادہ قومی ریاستوں کی شکل میں تقسیم کر رکھا ہے جن کے اوپر مغرب اپنی منشا کے مطابق اپنے پٹھو حکمران مسلط کرانے کے عمل پر کامیابی کے ساتھ عمل پیرا آتا رہا ہے۔ نظام کوئی بھی ہو، نام کی جمہوریت ہو، بادشاہت ہو ،ملوکیت ہو، فوجی آمریت ہو، حکمران بہر صورت مغربی طاقتوں کے امام امریکہ ہی کے اشاروں پر ناچنے والے ہی ہوں گے۔ جیسا کہ عراق، افغانستان، لیبیا اور مصر وغیرہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ شیطانی قوتیں مسلمان ملکوں پر کسی ایسے حکمران کو برداشت کرنے کی قائل نہیں جس میں کچھ بھی ایمانی دم خم ہو اور جو اپنی قوم کو غیرت اور خودداری کا درس دے کر اسے ایک غیرت منداور نہ جھکنے والی طاقت بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ شاہ فیصل، ذولفقار علی بھٹو، صدام حسین اور کرنل قذافی کے سانحات ہمارے سامنے ہیں۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ شیطانی قوتیں مشرق وسطیٰ اور اس ریجن میں جہاں ہم رہتے ہیں، اپنی سازشوں میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکی ہیں۔ جن عناصر کو بہانہ بنا کر انھوں نے دنیا کے ان حصوں میں ختم نہ ہونے والی عدم استحکام کی فضا پیدا کی ہے، وہ عناصر خود ان ہی کی تخلیق کردہ ہے۔ پہلے القاعدہ، پھر طالبان اور اب داعش یہ تمام انہی کے کرتوتوں کے پیداوار ہیں۔ انہی عناصر کا پیچھا کرنے کی آڑ میں مغرب کے شیطان اپنے بڑے گُرو کی قیادت میں حملہ آور ہو کر مسلمان ملکوں پر قابض ہو کر ان کے وسائل کو لوٹتے ہیں۔ انھوں نے ان ملکوں (عراق، شام، افغانستان، لیبیا وغیرہ) میں متحارب گروہ پیدا کر کے ان کو غیر مختتم جنگ میں مبتلا کیے رکھا ہے۔ ایسا کر کے اب انھیں براہ راست اپنی فوجیں بھیجنے کی ضرورت بھی نہ رہی۔ اس ریجن کے ممالک نہ صرف یہ کہ اب امریکہ کے دست نگر ہیں بلکہ ساتھ ساتھ اس کے اسلحہ کی فروخت کے لیے ایک بڑی مارکیٹ بھی بن چکے ہیں۔

تشویش کے سائے اور گہرے ہوتے جا رہے ہیں کہ مغربی شیاطین مادی وسائل اور علاقوں پر قبضہ کرنے کے علاوہ مسلمانوں کے ایمانی مراکز پر بھی حملہ آور ہونے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ اس کام میں مسلمان ملکوں پر مسلط بے حس و بے حمیت حکمران ٹولہ پورے طور پر ان قوتوں کے آلۂ کار اور ہمنوا بن رہے ہیں۔ وائس آف امریکہ (VOA) کے شام کے اُردو پروگرام

’’جہاں رنگ‘‘ کی 11 مارچ 2016 کی نشست میں یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ شیطانی قوتیں یہ تیاری کررہی ہیں کہ مل کر ایک قرارداد ’’یو این او‘‘ سے منظور کروادیں کہ جن جن ملکوں میں ’’توہین مذہب‘‘ (Blasphemy Laws) کے قوانین نافذ ہیں ان کو ختم (repeal) کیا جائے یا ان کو ترمیمات کے ذریعے غیر مؤثر کیا جائے‘‘۔ یہ جرأت مسلمان امت کے دین ومذہب پر براہ راست حملہ کے مترادف ہے۔ ظاہر ہے ’’یو این او‘‘ کی ایسی کسی شیطانی قرارداد کا سب سے بڑا ہدف پاکستان ہی ہوگا جہاں توہین مذہب کا قانون سب سے جلی شکل میں نافذ ہے۔ جیسا کہ معلوم ہے، بدقسمتی سے اسلامی ممالک کی اکثریت پر براجمان حکمران طبقہ امریکی غلامی کا طوق اپنی گردن میں ڈال چکا ہے اور وہ کسی بھی حکم سے سرتابی نہیں کرسکتا۔ دوسری طرف ’’یو این او‘‘ اپنی تاریخ سے یہ ثابت کرچکی ہے کہ اس کی حیثیت امریکی لونڈی سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا ایک ذیلی دفتر لگتی ہے۔ اس مخصوص مہم کو وائس آف امریکہ، بی بی سی اور دیگر معروف ذرائع ابلاغ اپنے مخصوص پروگراموں کے ذریعے تشہیر دیتے رہے ہیں۔ ان پروگراموں میں ایسے دین بے زار لوگوں کو بحیثیت ’’مہمان شرکاء‘‘ اور ماہرین انٹریوں کیا جاتا ہے جن کا دین ودینی اقدار سے دور دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔ اس قسم کے لوگوں کے ذریعے عوام الناس کے برین واشنگ کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ (اسی شیطانی ایجنڈے کے سلسلے کے چیزیں بیجنگ کانفرنس، بیجنگ پلس پائیو وغیرہ کئی سال پہلے یو این او کے ذریعے پاس کرائے گئے ہیں۔)

یو این او کی 70 سالہ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ اس نے کبھی کوئی ایسا مسئلہ حل کرنے میں دلچسپی نہیں دکھائی جس کے ساتھ کسی مسلمان ملک یا قوم کی دادرسی کا معاملہ متعلق ہو۔ مسئلہ کشمیر اس کا زندہ ثبوت ہے۔ دوسری طرف سوڈان کو دو ٹکڑے کرنے، افغانستان پر بزور قبضہ کرنے، عراق کو تباہ کرنے اور لوٹنے اور مصر میں ایک ناجائز حکومت کے سلسلہ میں یو این او کا کردار نہایت شرمناک رہا ہے۔ مغربی شیطانی قوتوں نے گزشتہ تین چار دہائیوں کے دوران خود پیدا کردہ بحرانوں اور واقعات میں مسلمان حکمرانوں کی نبض شناسی کی ہے اور جب ان کو غیرت سے تہی دست پایا تو انہی کے ذریعے اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کی راہ نکالی۔ شیطان کے ایجنٹوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ توہین مذہب، گستاخی رسولؐ اور قرآن اور دیگر شعائر دینی کی بے حرمتی ایسی

ذلیل حرکات جس پر کمزور سے کمزور ترین مسلمان کا بھی خون چہرے میں آ کر جمع ہوتا ہے اور وہ اس کے لیے اپنے سر کی قربانی کے لیے ہر لمحہ تیار ہوگا۔ضرورت پڑے تو کسی بھی زمانہ میں علم دین شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ممتاز قادری شہید پیدا ہوتے رہیں گے۔ لہٰذا دنیا کی امن وسلامتی کے خاطر ہر اس شیطانی سازش سے اجتناب کیا جائے جس میں مذہب کی توہین اور پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک پر حرف آنے کا احتمال ہو۔مسلمان حکمرانوں پر بالعموم اور پاکستانی حکمرانوں پر بالخصوص یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اس مجوزہ سازش پر پیشگی نوٹس (Preemptive) لیں اور اس سلسلہ میں ایک بہت مضبوط پیغام (strong m essage) یو این او سمیت بین الاقوامی دنیا (Across the globe) کو دے دیں کہ وہ کسی بھی حالت میں یو این او یا کسی اور جانب سے کسی ایسی تجویز/قرارداد کی زبردست مخالفت کریں گے جس میں توہین رسالت کے متعلق منفی سوچ کارفرما ہو۔ کیونکہ یہ مسلمان امت کی ایمان اور آخرت کا سوال ہے جس پر کسی بھی قسم کی مصالحت ایک مسلمان کے لیے ناممکن ہے۔ پاکستان کے مسلمان یہ پورا یقین رکھتے ہیں کہ حکمران طبقہ کسی کے دباؤ میں آ کر اس سازش کا حصہ نہیں بنے گا اور پوری قوت کے ساتھ اس سازش کو ناکام بنانے کی خاطر آخری حد تک جانے سے گریز نہیں کرے گا۔ ایسی صورت میں پاکستانی عوام کی مکمل حمایت ان کے ساتھ ہوگی۔ یہ بات سمجھنے کی ہے کہ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت بے عمل تو ہوگی تاہم وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن، مذہب اور ختم نبوت کے خلاف سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے کو ہر وقت تیار ہوگی۔

مسلمانوں کے مسالک کے مابین مذہبی ہم آہنگی
ماضی قریب کی دو چشم کُشا مثالیں

انجینئر مختار فاروقی

1

خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1902ء) خود صوفی تھے اور اصولی طور پر وحدت الوجود کے قائل ومؤید ومُبلّغ تھے ان کے نزدیک بھی مسلک اہل حدیث کے علماء (معروف اصطلاح میں غیر مقلّدین) کا کیا مقام ہے ۔حضرت خواجہ غلام فرید چشتی نظامی کے دیوان

''دیوانِ فرید'' مترجم وشارح مولانا نور احمد فریدی

قصر الادب رائٹرز کالونی ملتان

کی جلد اوّل، صف 47 سے اقتباس

مخالفین سے مروّت

............لیکن حضرت کا ظرف اتنا بڑا تھا کہ غیر مقلّدین کا بھی دل وجان سے احترام فرماتے تھے۔ مولوی رکن الدین جامع اشارات لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ حضور کی کچہری میں مولوی نذیر حسین محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر چل نکلا۔ خواجہ خدا بخش صاحب نے عرض کیا: ''قبلۂ عالم! لوگ مولوی نذیر حسین کو غیر مقلّد اور وہابی کہتے ہیں وہ کیسا شخص ہے''؟ خواجہ صاحب نے فرمایا ''سبحان اللہ! مولانا نذیر حسین تو ایک صحابی کی شان رکھتے ہیں۔ اچھے انسان کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس جیسا دنیا میں کوئی نہ ہو۔ پس وہ زمانۂ حال میں علم حدیث میں اپنی نظیر نہیں رکھتے ۔اور اس قدر مرنجان مرنج واقع ہوئے ہیں کہ اسلام کے کسی فرقہ کو بُرا نہیں کہتے ۔اگرچہ

لوگ انہیں منہ سامنے بہت بُرا بھلا کہتے اور بدگوئی کرتے ہیں۔ ایسا ظرف کس کا ہوسکتا ہے کہ گالیاں سنے اور جواب تک نہ دے۔ اب اگرچہ بہت بوڑھا ہو چکا ہے تاہم اپنا تمام کام خود کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مہمانوں کو کھانا خود جا کر دیتا ہے اور کسی سے یہ نہیں پوچھتا ہے کہ صوفی ہے یا کیا مذہب رکھتا ہے۔'' (اشارات جلد۲ ص ۲۹۷)

احمد پور شرقیہ سے ایک بار ایک غیر مقلّد مولوی احمد بخش صاحب حضور کی خدمت میں بمقام چاچڑاں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کی کہ ''نواب صاحب بہاول پور نے مجھے ریاست بدر کر دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر میں اُن کی ریاست میں رہوں گا تو میری وجہ سے وہابیت کو فروغ ہوگا۔'' آپ نے فرمایا: ''مولوی صاحب! آپ یہاں رہیں۔ عنقریب نواب صاحب آنے والے ہیں اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے گا اور کچھ نہ کچھ تدارک ہو جائے گا۔''

جب نواب صاحب حضور کی زیارت کے لیے تشریف لائے تو حضرت نے اس معاملے میں براہِ راست کوئی بات نہ کی، بلکہ جس وقت حضور نماز کے لیے تشریف لے گئے تو آپ نے مولوی احمد بخش صاحب کو اشارہ فرمایا کہ امامت کریں۔ چنانچہ خواجہ صاحب، نواب صاحب اور اُن لوگوں نے بھی (جو مولوی صاحب کی شکایت میں پیش پیش تھے) مولوی احمد بخش کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نواب صاحب فرطِ ادب سے دم بخود تھے اور یہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ خواجہ صاحب نے ایک وہابی کے پیچھے نماز کیسے پڑھ لی۔

نماز کے بعد خواجہ صاحب نے عام لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا۔ آج کل لوگ خدا بننے کی کوشش کر رہے ہیں، کوئی اپنے آپ کو مالک خیال کرتا ہے اور کوئی رازق۔ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں تو کافروں کے لیے بھی جگہ ہے اور مشرکوں کے لیے بھی۔ کیونکہ ع

بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

نواب صاحب پہلے شرمندہ ہو رہے تھے۔ یہ بات سن کر دوزانو ہو گئے اور ہاتھ جوڑ کر عرض کی۔ قبلہ! مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں اپنے احکام واپس لیتا ہوں اور نہایت عاجزی سے مولوی صاحب کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ احمد پور شرقیہ واپس تشریف لے چلیں۔

خواجہ صاحب نے فرمایا کیوں نوب صاحب! کافروں کے لیے تو آپ کی ریاست

میں جگہ ہے، مگر موحدوں کے لیے آپ کے ہاں کوئی جگہ نہیں۔ یہ لوگ بہر حال توحید و رسالت کو تو مانتے ہیں۔ نواب صاحب نے سر جھکا کر نہایت لجاجت سے عرض کی قبلہ زیادہ شرمندہ نہ فرمائیں۔ میں واپسی پر مولانا کو اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور ان شاء اللہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہوگی۔ (پریت مہار۔ ص۲۳، ۲۴)

2

مسئلہ وحدت الوجود اور............قسط:۴

از مفتی رب نواز احمد پور شرقیہ

(اقتباس از مجلّہ صفدر، شمارہ نمبر 61، مارچ 2016ء)

مسئلہ وحدت الوجود اور............ سے متعلق اپنے رسالہ کے بارے میں لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس رسالہ میں (علاّمہ) محمد حنیف ندوی صاحب غیر مقلد کا حوالہ نہیں آسکا اسے یہاں درج کرتے ہیں۔ ندوی صاحب وحدۃ الوجود کے قائلین علماء کے موقف کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ حضرات جب وحدۃ الوجود کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہیں تو ان کا مطلب کسی فلسفہ کا اِثبات نہیں ہوتا۔ ان کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے اور کوئی شے حسن و جمال کے وصف سے متصف نہیں ہے اور یہ کہ ان کی محبت اور ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق خاطر تصور غیر کو کسی عنوان سے برداشت کرنے کے لیے آمادہ نہیں۔ یہ دیانت داری کے ساتھ محسوس کرتے ہیں کہ اس عالم رنگ و نکہت اور معشوق ہزار شیوہ میں حسن اور نکھار و دلآویزی اور رنگا رنگی صبح ازل ہی کی تجلیات کا پَرتو اور انعکاس ہے۔ ورنہ ان کی اپنی طبیعت، اپنا مزاج اور فطرت ہرگز اس لائق نہیں کہ محبوبی کے ان نمونوں کو سطح وجود پر نمایاں کر سکے۔ ان کے ہاں شخصیت کا تصور یکسر مفقود ہے۔ انا کی نمود ارار اور پندار قطعی غائب ہے۔ ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ جو شخص جس حد تک اپنی فانی و محدود ''انا'' کو اس کی سرمدی اور غیر محدود ''انا'' میں گم کر دینے کی کوشش کرے گا، اُسی حد تک وہ زندگی، ارتقاء اور روشنی سے بہرہ مندی حاصل کر سکے گا۔ اس سلسلے میں ان لوگوں کی عبارتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے جس میں حلول و اتحاد کی بو آتی ہے۔ کیونکہ یہ خود بھی ان سطحیات کو درخور اعتناء

نہیں جانتے۔ ان سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الفاظ و پیرایۂ بیان کی مجبوریوں کے باوجود اپنی واردات محبت کی تشریح کریں اور یہ بتائیں کہ عشق و محبت کی وادیٔ پُرشوق میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ جہاں سالک اپنی ذات کو بھول جاتا ہے اور اس کی وسیع و بیکراں ذات میں جذب ہو جاتا ہے۔ ان اصحاب حال حضرات کی عبارتوں میں منطق و نحو کے تقاضوں کے مطابق معانی و مطالب ڈھونڈنا عبث ہے۔ یہاں تو ذوق و وِجدان کی رہنمائی ہی میں آگے بڑھنا مفید ہو سکے گا۔ ولیم جیمز (william james) نے اس ضمن میں کتنی اچھی بات کہی ہے: اگر کوئی شخص ایسے کان نہیں رکھتا جو نغمہ و آہنگ کے لطائف سے آشنا ہوں اور ایسا تاثر پذیر دل نہیں رکھتا جس نے احوال واردات کی لذتوں کو کبھی نہ آزمایا، یا چکھا ہو، تو ایسی صورت میں یہ توقع رکھنا کہ یہ شخص موسیقی کی سحر آفرینیوں کو سمجھ سکے گا، یا قلب و ذہن کی سرمستیوں میں علم و عرفان کی جھلک پا سکے گا، قطعی فضول ہے۔'' (عقلیاتِ ابن تیمیہ: ۳۰۶، ۳۰۷ بحوالہ المهند الديوبندی: ۶۱)

ہاتھ آنکھوں پہ

مظفر وارثی

ہاتھ آنکھوں پر رکھ لینے سے خطرہ نہیں جاتا
دیوار سے بھونچال کو روکا نہیں جاتا

دعووٗں کی ترازو میں تو عظمت نہیں تُلتی
فیتے سے تو کردار کو ناپا نہیں جاتا

فرمان سے پیڑوں پر کبھی پھل نہیں لگتے
تلوار سے موسم کوئی بدلا نہیں جاتا

چور اپنے گھروں میں تو نہیں نقب لگاتے
اپنی ہی کمائی کو تو لُوٹا نہیں جاتا

اوروں کے خیالات کی لیتے ہیں تلاشی
اور اپنے گریبان میں جھانکا نہیں جاتا

فولاد سے فولاد تو کٹ سکتا ہے لیکن
قانون کو قانون سے بدلا نہیں جاتا

ظلمت کو گھٹا کہنے سے بارش نہیں ہوتی
شعلوں کو ہواؤں سے تو ڈھانپا نہیں جاتا

طوفان میں ہو ناؤ تو کچھ صبر بھی آ جائے
ساحل پہ کھڑے ہو کے تو ڈوبا نہیں جاتا

دریا کے کنارے تو پہنچ جاتے ہیں پیاسے
پیاسوں کے گھروں تک کوئی دریا نہیں جاتا

اللہ جسے چاہے اسے ملتی مظفر
عزت کو دکانوں سے خریدا نہیں جاتا

معاشی دہشت گردی۔۔ریاستی گدھ

ابوفیصل محمد منظور انور

پاکستانی عوام کا خیال تھا کہ ڈکٹیٹر مشرف کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی جمہوری حکمران بے لاگ احتسابی کلچر کے عمل کو فروغ دے کر ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لائیں گے مگر یہ عوامی خواب تشنہ تکمیل ہی رہا اور ایسا نہ ہو سکا۔اربوں کھربوں کی بدعنوانی، ٹیکس چوری اور گورننس کی خراب صورت حال ایسی ہوشربا رپورٹس سامنے آرہی ہیں جنھیں دیکھ کر کلیجہ منہ کو آتا ہے نیب جیسے ادارے کا کردار بڑے بڑے مگرمچھوں سے پلی بارگین کر کے معمولی رقم وصول کر کے ان کو کلین چٹیں فراہم کرنے تک محدود نظر آتا ہے کالا دھن سفید کرنے کے نئے نئے طریقے ایجاد ہو چکے ہیں ٹیکس چوری کرنے والے دندناتے پھرتے ہیں پچھلے سال جولائی 2015ء میں کھربوں روپوں کی کرپشن کے حوالے سے سپریم کورٹ میں پیش کردہ رپورٹ جس میں موجودہ وزیر اعظم، وزیر اعلیٰ پنجاب، سابق وزرائے اعظم، وزرا، سمیت کئی سابق جرنیلوں اور سرکاری افسران پر وسیع پیمانے پر کرپشن اور اختیارات کے غلط استعمال کے سنگین الزامات ہیں کہاں پڑی ہے؟ کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے اس سے پہلے سپریم کورٹ کے حکم پر جسٹس جمشید کی سربراہی میں میں قائم کمیشن نے جنوری 2013ء میں اپنی رپورٹ میں بتایا تھا کہ 1971ء سے 2009ء تک اڑتیس سالوں میں 87 ارب روپے کے قرضے معاف کیے گئے۔عدالت نے اس رپورٹ کو عوام کے سامنے لانے کا فیصلہ دیا تھا نیب نے اس پر کتنا عمل درآمد کیا ہے؟ یہ کہاں پڑی ہے؟ کچھ معلوم

نہیں ہے۔ضلعی سطح پر ترقیاتی منصوبوں میں متعلقہ منتخب نمائندوں وسرکاری افسران کی طرف سے کمیشن وصولی اور رشوت خوری کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں جو بڑی ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کے ساتھ عوام کو لوٹ رہے ہیں میڈیا کی نشاندہی اور چیخ وپکار کے باوجود حکمران خاموش ہیں کیونکہ انھیں اپنی گڈ گورننس پر پورا پورا یقین ہے ہمارے سیاستدان اب بھی کہتے ہیں کہ ان کی کردارکشی کی جارہی ہے غریب عوام کے خون کا آخری قطرہ تک نچوڑنے والے کس منہ سے اپنے دامن کو کرپشن سے پاک قرار دیتے ہیں شرم تم کو مگر نہیں آتی چیف جسٹس آف پاکستان انور ظہیر جمالی کہتے ہیں کہ جس ادارے پر ہاتھ ڈالیں نئی داستان نکلتی ہے جمہوریت کے نام پر مخصوص گروہوں نے وسائل پر قبضہ کر رکھا ہے عوام کے لئے دووقت کی روٹی بھی مشکل ہوگئی 68 سال گزرنے کے باوجود ملک کو فلاحی ریاست نہیں بنایا جاسکا اسٹیٹ بینک کی ایک رپورٹ کے مطابق پاکستان پر جنوری 2016ء تک بیرونی ممالک کے قرضوں کا بوجھ 68550 ملین ڈالرز تک جا پہنچا ہے۔اور آئندہ مہینوں میں اس میں مزید اضافہ ہونے کی توقع ہے ایک اور رپورٹ کے مطابق ہر پاکستانی ایک لاکھ دس ہزار روپے کا مقروض ہے

وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان لاکھوں افراد کی لازوال قربانیوں کا صلہ ہے جس میں ان شہدا کا خون شامل ہے تحریک پاکستان کی نامور شخصیات جن میں مولانا محمد علی ،شوکت علی (علی برادران)، علامہ محمد اقبال، لیاقت علی خان، قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے دیگر رفقا نے اپنی زندگیاں مسلمانوں کے لئے علیحدہ آزاد وطن کے حصول کی خاطر وقف کر رکھی تھیں وہ اپنے حصے کا کام کر کے یہ امانت نئی قیادت کے سپرد کر کے اس دار فانی سے رخصت ہوگئے۔افسوس ناک امر یہ ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح کی زندگی میں ہی کئی ایک بددیانت و خائن عناصر، یونینسٹ ، بڑے بڑے جاگیردار، خان، پیر، وڈیرے، جرنیل، سرمایہ دار وصنعت کار، خود ساختہ لیڈرز بن کر اقتدار پر قابض ہونے کی سازشیں کرنے لگے اور کئی ایک کامیاب ہو گئے قائداعظم مرحوم نے جنھیں کھوٹے سکے قرار دیا تھا چند ایک کو چھوڑ کر اکثریت نے کرپشن کی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے اور ملک کو کنگال کرنے میں اپنا گھناؤنا کردار ادا کیا یہی ننگ وطن عناصر گزشتہ ستر سالوں سے چولے بدل بدل کر ملکی خزانے اور قومی اثاثوں کو مردار خور گدھ کی طرح نوچ رہے ہیں

جمہوریت ہو یا آمریت اقتدار کے رسیا ان افراد نے باہمی سازشوں کے ذریعے مکڑی کا جالا بن کر ملکی باگ ڈور ہمیشہ اپنے خاندانوں اور اولاد اور دوست احباب تک محدود رکھی ہوئی ہے ملکی، صوبائی اور ضلعی سطح تک کے اقتدار میں باپ کی جگہ بھائی بیٹا یا بیٹی تخت نشین ہوتے ہیں اس طرح ملک میں موروثی سیاست کا کلچر پروان چڑھتا گیا جواب خوب مستحکم نظر آتا ہے ایوبی دور میں 22 خاندانوں کا چرچا رہا مگر وقت کے ساتھ ساتھ ان میں اضافہ ہوتا گیا اب کئی نو دولتیے اس میں شامل ہو گئے اور تعداد 200 سے زائد خاندانوں تک پہنچ چکی ہے۔ جس میں پچھلے چند برسوں سے اقتدار کے مزے لوٹنے والے مزید دو تین خاندان بھی شامل ہیں ملکی معیشت کا بیڑا غرق کرنے والے ایسے عناصر کے پاس کونسی ایسی جادو کی چھڑی ہے کہ چند سالوں میں ان کے پاس دولت کے انبار نظر آتے ہیں جبکہ غریب عوام دو وقت کی روٹی کھانے کو ترس رہے ہیں مقتدر طبقات نے بیوروکریسی کی ملی بھگت سے اپنے لامحدود اختیارات کے بل بوتے پر قدرتی وسائل سے مالا مال اس خطے کو اپنی ذاتی چراگاہ کے طور پر استعمال کیا غریب عوام کے ملکیتّی ملکی وسائل کی لوٹ مار میں ابلیس کو بھی شرما دیا احتساب سے بے نیاز دو بڑی پارٹیاں میثاق جمہوریت ایسے معاہدے کر کے اور دیگر پارٹیاں اپنے مفادات کی خاطر حکومتی پارٹیوں کی حمایت کر کے ایک دوسرے کی کرپشن کو تحفظ دے کر ملکی خزانے کی بندر بانٹ میں مصروف ہیں نااہل لوگوں کی ہوسِ اقتدار اور ملکی اقتدار پر قبضے کا نتیجہ یہ ہے کہ ملک پر اربوں ڈالرز کا قرض چڑھا ہوا ہے عملی طور پر ملک دنیا کی بڑی طاقتوں کے ہاتھوں یرغمال بن کر ان کا باج گزار اور اطاعت شعار غلام بن چکا ہے بدقسمتی سے دیندار، باصلاحیت اور امانت دار قیادت نہ ہونے سے منزل کا تعین ہی نہیں ہو سکا ہے جس کی وجہ سے گزشتہ کئی عشروں سے بیس کروڑ کے لگ بھگ عوام کا یہ ہجوم ایک ریوڑ کی مانند ہے جسے مغربی دنیا کی آشیر باد سے کوئی بھی سیاسی یا فوجی طالع آزما اپنی مرضی سے ہانک کر اقتدار پر قابض ہو جاتا ہے اور پھر شیر مادر سمجھ کر اس کے وسائل پر ہاتھ صاف کرتا جاتا ہے۔ ملک کو ایک طے شدہ متفقہ قومی پالیسی کے تحت چلانے کی بجائے من مرضی کے ذاتی مفادات سمیٹنے کی خاطر اسے ایڈہاک بنیادوں پر چلایا جا رہا ہے اسلام کے نام پر معرض وجود میں آنے والے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کوئی اسلامی منشور نہیں، کوئی مستقل داخلہ، خارجہ پالیسی نہیں، مستقبل کی کوئی ترقیاتی منصوبہ بندی نہیں بظاہر

جمہوریّت ہے مگر بدترین خاندانی آمریت ہے برسوں سے سیاسی جماعتوں پر قابض دو چار خاندان اور چند شخصیّات مرضی کے فیصلے کرنے میں آزاد ہیں پارلیمنٹ ربڑسٹمپ کی مانند ہے جس میں بیٹھے نام نہاد منتخب نمائندوں کی ترجیحات صرف اور صرف اپنی اور اپنے خاندانوں کے لئے دولت سمیٹنا ہے اربوں روپے ادھار لے کر ایسے بڑے بڑے منصوبے شروع کیے جا رہے ہیں جن سے بھاری کمیشن مل سکتا ہے حالانکہ پاکستانی غریب عوام کو ان منصوبوں کی فوری طور پر قطعی ضرورت نہیں ہے وطن عزیز کو ایک اسلامی ویلفیئر اسٹیٹ بنانے، عوام کو تعلیم یافتہ بنانے اور انھیں صحت جیسی سہولتیں فراہم کرنے کی بجائے حکمران انھیں جاہل اور ان پڑھ بنانے اور انھیں طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر کے ایک بیمار معاشرہ تشکیل دے رہے ہیں تا کہ عوام پر گرفت کو مضبوط کر کے اپنے لئے مستقل طور پر اقتدار میں رہنے کا راستہ ہموار کیا جا سکے۔ بلی چوہے کا یہ کھیل پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا جب ملک پر ایک بیوروکریٹ نے سازش کے ذریعے قبضہ کر کے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھال لیا تھا اس پر حکومتی ملکیتی ایک بڑے ہوٹل کو 90 لاکھ روپے میں خریدنے کا الزام تھا لیاقت علی خان نے تحقیقات کروالی تھیں اور اس بد دیانت بڈھے کھوسٹ کے خلاف کارروائی کا آغاز ہونے والا تھا کہ لیاقت علی خان کو قتل کر دیا گیا نا معلوم اس فائل کا کیا بنا؟ سازشوں کے ذریعے اقتدار پر قبضے کرنے کا سلسلہ بدستور جاری ہے عالمی طاقتوں کے ایجنٹ ملک پر قابض ہونے میں کامیاب ہوتے رہے ہیں اس قبضہ مافیا سے ملک کو آزاد کروائے بغیر عوام کو منزل نہیں مل سکتی اس وقت ملک میں دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری ہے اور پاک فوج دہشت گردوں کے خلاف فیصلہ کن جنگ میں کامیابیاں حاصل کر رہی ہے تا کہ ملک کا مستقبل محفوظ ہو سکے جب سے کراچی میں دہشت گردوں کے سہولت کار معاشی دہشت گردوں کے خلاف کارروائیاں شروع ہوئی ہیں کرپشن کی رقوم سے دہشت گردوں کو فائدہ پہنچانے والوں کے خلاف گھیرا تنگ ہوتے دیکھ کر اس کے سرپرستوں اور ایک پوری پارٹی نے آسمان سر پر اٹھا لیا ہے یہاں تک کہ ایک کرپٹ شخص کو بچانے کے لئے صوبائی اسمبلی نے قانون سازی تک کر ڈالی ہے۔ ڈاکٹر عاصم حسین، عزیر بلوچ اور اسی قماش کے دیگر بھتہ خوروں نے جو انکشافات کئے ہیں لوٹ مار میں اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیات بارے ٹی وی چینلز پر جو دکھایا جا رہا ہے مختلف اخبارات میں جو

کچھ چھپ رہا ہے اسے دیکھ کر شاید شیطان بھی شرما جائے البتہ زردار ٹولہ جس کی ہوس زر کی کوئی انتہا ہی نہیں ہے کی بات اور ہے ایک نا اہل شخص نے بھٹو مرحوم کی بیٹی سے شادی کیا کی کہ اس کی لاٹری نکل آئی بدنام زمانہ کرپشن کنگ نے 10 پرسینٹ کے بعد 100 پرسینٹ کے القاب پائے بالآخر مملکت خداداد پاکستان کی کرسی صدارت تک پہنچ گیا اس کا شمار اس وقت دنیا کے امیر ترین افراد میں ہوتا ہے جو بیرونی ممالک میں کئی محلات کا مالک ہے ملتان کی ایک درگاہ کا متولی وزیر اعظم کی کرسی تک جا پہنچا اس دوران ان کی پوری ٹیم نے ریکارڈ توڑ کرپشن کی اور ملک کو کنگال کر دیا۔ عالمی ایجنسیوں کا ایجنٹ الطاف انگریزوں کی گود میں بیٹھ کر پاکستان کو کمزور اور دولخت کرنے کی سازشیں کر رہا ہے مگر حکومت اس کی پارٹی کی بلیک میلنگ سے ڈر کر خاموش تماشائی کا کردار نبھا رہی ہے دونوں بڑی پارٹیوں نے اسے اپنے ساتھ شریک اقتدار کر کے لوٹ مار اور قتل و غارت کا لائسنس دیا سینکڑوں بے گناہوں کا قاتل اور منی لانڈرنگ میں ملوث ابھی تک قانون کی دسترس سے باہر ہے۔ برسر اقتدار مسلم لیگی حکومت میثاقِ جمہوریت کے تحت فرینڈلی اپوزیشن کا کردار ادا کرنے والوں سے بڑی مروّت کے ساتھ نبٹنے میں مصروف ہے۔ مسلم لیگی قیادت نے جمہوریت کی بقا کا معاہدہ اس شخص سے کیا جس نے مری معاہدے سے مکرنے کے بعد فرمایا تھا کہ یہ معاہدہ کوئی حدیث تو نہیں موصوف کی سربراہی میں جس طرح قومی خزانے کو لوٹا گیا اور پاکستانی قوم کی لٹیا ڈبوئی گئی ایسی بے نظیر مثال کسی مہذب ملک میں نہیں ملتی پاکستانی سیاستدانوں کے پاس اقتدار سے پہلے کچھ نہیں ہوتا اور وہ تہی دست ہوتے ہیں تصدیق کے لئے ان کی طرف سے انتخابات کے موقعوں پر جمع کروائے گئے اثاثہ جات اور انکم ٹیکس کے گوشوارے کافی ہیں مگر اقتدار کی کرسی پر فائز ہونے کے فوری بعد کرپشن کے چوکے چھکے لگا کر دولت کے انبار لگا لیتے ہیں احتسابی عمل ناقص ہونے کی وجہ سے یہ لکڑ پتھر ہضم کر کے ڈکار جاتے ہیں مختلف طریقوں سے اربوں روپے ہتھیانے والے طبقہ اشرافیہ کے افراد اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی جمع کر کے رکھتے ہیں یہ سلسلہ نہ جانے کب تک چلے گا۔

خدا خدا کر کے قومی ادارے برائے احتساب 'نیب' نے ابھی تحقیقات کا آغاز ہی کیا ہے کہ لٹیروں کی چیخیں نکل رہی ہیں ادارے کو دھمکیاں دے کر خاموش کروایا جا رہا ہے اس کے پر

کاٹنے اور من مرضی کا کمیشن بنا کر قوم کو ایک بار پھر بے وقوف بنانے کی سازش ہو رہی ہے لٹیرے اپنے ہی تشکیل کردہ احتسابی ادارہ کے خلاف زہر اگلنے لگے ہیں۔ مغرب کی خوشنودی کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل سے مشاورت کیے بغیر خواتین کے حقوق بارے غیر اسلامی قوانین بنانے کا سلسلہ جاری ہے۔ دنیا بھر کے حالات بدل رہے ہیں مشرق وسطیٰ میں عرب بہار کے نام سے آنے والے انقلاب کو روکنا اب کسی کے بس کی بات نہیں۔ تبدیلی کے عمل کو دنیا کے کسی بھی خطے میں روکا نہیں جا سکتا البتہ بڑی استعماری طاقتوں اور مقامی حکمرانوں کی سازشوں کے باعث وقتی طور پر یہ انقلاب کچھ عرصہ کے لئے سست روی کا شکار ہے۔ پاکستانی مقتدر شخصیات عوامی ری ایکشن یا تبدیلی کے عمل کو سمجھیں اور نوشتہ دیوار پڑھیں۔ جب فاقہ کشی سے تنگ، مہنگائی سے بے حال، وسائل رزق سے تہی دست، تعلیم، انصاف اور علاج سے محروم یہ مزدور کسان اور جوان جو آج خودکشی پر آمادہ نظر آتے ہیں، مرنے مارنے کے لیے سڑکوں پر آجائیں تو ـــــ شاید خونی انقلاب کے سوا کوئی OPTION نہ رہے۔

یہ 'خودکُش' فاقہ کش آج بھی مغربی آقاؤں سمیت تمام اشرافیہ اور مقتدر طبقات کے لیے ڈراؤنا خواب ہیں اور مستقبل میں بھی رہیں گے جب تک کہ انصاف کا بول بالا نہیں ہوتا اور وسائل رزق کی عادلانہ اور منصفانہ تقسیم نہیں ہوتی۔ اور یہ سب کچھ ایک بے رحم احتساب سے ہی ممکن ہے۔ اس صورت حال کی ذمہ داری برسوں سے قومی خزانے سے کھیلنے والے سیاست دانوں، طبقہ اشرافیہ، مقتدر طبقات پر عائد ہوتی ہے کیونکہ ان حالات میں عوام خانہ جنگی اور خونی انقلاب کی طرف رواں دواں ہیں۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد
علامہ اقبال

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات پر

اہل علم کے تاثرات کے خطوط

1۔ نعیم اختر عدنان، فیروز والا

حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت......ایک خصوصی کاوش کا مظہر

(اسلاف کا قلب وجگر اور اسلام کی سر بلندی کا مشن)

قرآن اکیڈمی جھنگ، مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ اور تمام معاونین ادارہ سمیت مدیر حکمت بالغہ قابل صد ستائش اور ڈھیروں دعاؤں کے حق دار ہیں کہ بے حسی، جمود اور ڈنگ ٹپاؤ دور میں اپنی دُھن میں مگن ہو کر دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، وعظ ونصیحت، تربیت وتنظیم کے ساتھ ساتھ تحقیق وتدوین کے شعبہ میں بھی کارہائے نمایاں کا سا انداز اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ایک ہی لگن ایک ہی مقصد، ایک ہی جذبہ، ایک ہی تڑپ، ایک ہی سوچ، ایک ہی فکر، ایک ہی تمنا، ایک ہی آرزو، ایک ہی جذبہ محرکہ، ایک ہی نیت، ایک ہی منزل کے حصول میں اس انداز سے سرگرم عمل ہیں کہ شاعر کی زبان میں کہنا پڑتا ہے۔ ؎

اِک تصور کے حُسنِ مبہم پر ساری ہستی لٹائی جاتی ہے

کے مصداق وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کا مصداق اور روشن چراغ بنے ہوئے ہیں۔ میں خود بھی اسی راستے کا مسافر ہوں مگر ''قُوتِ لایموت'' کی فراہمی کے حوالے سے 'غم روزگار' میں عملاً مقید ومحبوس ہوں اس بے مائیگی، مجبوری ومحرومی کے باوجود دل و دماغ کے اندر جذبات کا طوفان موجزن رہتا ہے اور ایک ولولہ تازہ میسر رہتا ہے۔ جناب مختار حسین فاروقی جیسے خیر خواہوں

کے ذریعے سے۔ 'حکمت بالغہ' محض ایک رٹا رٹایا، پڑھا پڑھایا سبق ہی نہیں دیتا، دل کی دنیا کو نئے آہنگ اور دماغ کو نئی سوچیں فراہم کرتا ہے۔ حکمت بالغہ معمول کی اشاعت کے ساتھ خصوصی اشاعتوں کے حوالے سے بھی ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ چنانچہ ''جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سوسال''، ''صہیونیت، قرآن مجید کے آئینے میں''، ''تعمیر سیرت و کردار'' جیسے مضامین حکمت کا مجموعہ ہوں یا ''حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے'' کی خصوصی کاوش ہو، یہ سب کچھ ایک قلب سلیم رکھنے والے اور اسلام اور مسلمانوں کو سربلند دیکھنے کی آرزو رکھنے والے دانائے راز کی شبانہ روز محنتوں کا ایک بھرپور اظہار ہی تو ہے۔

پاکستان اس وقت انتہائی سنگین داخلی اور خارجی حالات سے دوچار ہے اور بہت سے لوگ 'ریاست کا نیا بیانیہ' کے نام سے اسلامی جمہوریہ پاکستان، سے اسلام کے تصوّرات کو الگ کرنے کی مکروہ اور گھناؤنی سازشوں میں مصروفِ عمل ہیں۔ ان سازشوں کا ادراک، انہیں بے نقاب کرنا اور انہیں ناکام بنانا ہی ''آرڈر آف دی ڈے'' ہے۔ فاروقی صاحب کا یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ ''پاکستان کو موجودہ نظریاتی بے راہ روی اور صحیح سمت میں آگے بڑھنے کے عمل کے فقدان کی توضیح کر کے عصر حاضر میں ایک مثالی عوامی اسلامی فلاحی ریاست کی ضرورت کا احساس دلانا ہے......خوش قسمتی سے قرآن وحدیث کے مضمرات کا بھی تقاضا اور شرعاً واجب بھی ہے اور ختم نبوت کے نتیجے میں ایسا ہونا اِتمامِ حجت کے لئے ضروری بھی ہے۔'' (حکمت بالغہ صفحہ 10)

اسلام کے انقلابی فکر کی تشریح اور اسے نافذ و غالب کرنے کی جدوجہد میں اپنا تن من دھن لگانے والی ایک شخصیت کا نام ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ ان کی غلبہ دین کے لئے مساعی ایک معتبر نام ہے۔ حکمت بالغہ میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حوالہ بھی سند کی حیثیت رکھتا ہے:

''دین اور دنیا، مذہب وسیاست کو یکجا کر کے ان کے مجموعے پر اللہ کی حاکمیّت یعنی کتابُ اللہ اور سنّت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر مشروط اور بلا استثناء بالادستی قائم کرنے کی جدوجہد میں تن من دھن کے ساتھ حصہ لیا جائے تاکہ دین حق کے غلبے کی صورت میں وہ نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہو جائے جو انسانی حریّت، اخوّت اور مساوات کے معتدل اور متوازن مجموعے کی حیثیت سے خلق کے لیے خالق کی رحمت و ربوبیّت اور عدل وقسط کا جامع اور کامل مظہر بن جائے۔''

’’جس مسلمان کی زندگی اس جہد و جہاد سے خالی اور سینہ اس راہ میں جان دینے کی آرزو سے محروم ہو وہ ’’قانونی مسلم‘‘ تو ہو سکتا ہے ’’حقیقی مؤمن‘‘ ہرگز نہیں ہو سکتا اور ایک حدیث نبوی ﷺ کی رُو سے ایسے مسلمان کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوتی ہے۔‘‘ (حکمت بالغہ، صفحہ 16-15)

عدل و انصاف کے قیام اور ظلم و استحصال کے خاتمہ کے لئے مروّجہ جاگیردارانہ نظام کے خلاف زبان و قلم سے جہاد بھی حد درجہ اہم گوشہ ہے مگر اس حوالے سے بھی عوام کے ’درد‘ کی علمبردار سیاسی جماعتیں بھی عملاً گونگی و بہری بن چکی ہیں۔

حکمت بالغہ کا اپنی خصوصی اشاعت میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے (صفحہ نمبر 19-18) میں یہ اقتباس بھی قابل مطالعہ اور غور و فکر کا متقاضی ہے

’’......جب عالم اسلام میں حدیث نبوی ﷺ کے الفاظ میں ’’کاٹ کھانے والی ملوکیت‘‘ اور ’’جابرانہ بادشاہت‘‘ کا نظام مستحکم اور متمکن ہو گیا اور اس کی پہلوٹھی کی بیٹی بھی جوان ہو گئی یعنی جاگیرداری بھی پوری طرح رائج ہو گئی اور عوام کو اس ظالمانہ استبدادی نظام کو ایک امر واقعی کی حیثیت سے عملاً قبول کرنا پڑا تو اس کے لازمی اور منطقی نتیجے کے طور پر مسلمانوں کے دینی تصورات میں بھی تنزل کا عمل شروع ہو گیا اور اسلام رفتہ رفتہ ’دین‘ کی بجائے صرف ایک ’مذہب‘ کی صورت اختیار کرتا چلا گیا جس کا اصل موضوع ’’عبادات اور رسومات‘‘ ہوتی ہیں نہ کہ ریاست و سیاست!

............بقول علامہ اقبال

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کُشتہ ملاّئی و سلطانی و پیری!

اسلام انسانی حریت، اخوت اور مساوات کا علمبردار ہے مگر آج کی دنیا میں ہمیشہ کی طرح ظلم کا نظام قائم ہے

’’......غرض سب کچھ بدل گیا ہے مگر کیا کہیے اگر کوئی چیز نہیں بدلی تو جنوبی ایشیا میں شودر اور دلت کی قسمت نہیں بدلی اور ان کی پہچان نہیں بدلی............اور حاکموں کو حاکم اور محکوموں کو محکوم بنائے رکھنے میں ہی دنیا کا امن قائم ہے۔ (حکمت بالغہ، صفحہ 62)

گویا اس وقت دنیا اپنی تمام تر رنگینیوں اور دل آویزیوں کے باوجود اقبال کے الفاظ

میں یہی نقشہ پیش کر رہی ہے۔

پیش ما یک عالم فرسودہ است
ملت اندر خاکِ اُو آسودہ است

قدیم تہذیبوں میں مذہب کا تو انکار کیا گیا......''عوام کے لیے بت پرستی کا نظام تھا اور بادشاہ بھی خدائی کا دعویدار تھا۔ اہل علم، دانشور، شعراء، خطیب، فنکار سب اس نظام کے مدح خواں، اس کے خادم اور اس نظام کے وظیفہ خوار تھے۔ یونان کے فلاسفہ بشمول ارسطو، ہند کے اشوک کمار کے دور کے علما وفضلا، عظیم روما کے دور کے اہل علم اور دانشور، شعراء اور اہل قلم سب اس حکومتی اور سرکاری استحصالی نظام کے وفادار اور وظیفہ خوار تھے (اور یہ صورت آج کے استحصالی نظاموں کے ہاں بھی ہو بہو اسی طرح موجود ہے فرق صرف اتنا ہے آج میڈیا کے اینکر پرسن اور اس پر جلوہ نمائی کرنے والے اہل قلم اور دانشور حضرات وہی کام کر رہے ہیں۔ آج کا میڈیا اس استحصالی نظام کی حمایت میں پیش پیش ہے)۔ (حکمت بالغہ، صفحہ 70)

آپ کا یہ تجزیہ بھی اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کا آئینہ دار ہے چنانچہ سیاست دان ہوں، فوجی جرنیل، عدلیہ سے وابستہ قاضی و جج ہوں یا میڈیا سے وابستہ صحافی اور دانشور مذہب کی نمائندگی کرنے والے علماء ہوں کہ صوفیاء کرام سب کے سب ایک ہی راگ الاپتے اور ایک ہی قوالی گاتے ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں اور وہ ہے مغرب کے مادر پدر آزاد سیکولر نظام کی مدح سرائی، بفحوائے آیاتِ قرآنی هَلۡ يَسۡتَوِى الَّذِيۡنَ يَعۡلَمُوۡنَ وَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ (بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو علم نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں)۔

لہٰذا اللہ تعالیٰ نے علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح کے ذریعے 1947ء میں پاکستان جیسی عظیم الشان سلطنت عطا کر دی۔ مغرب کے مقتدر طبقہ اور ایجنسیوں کا اپنی جگہ یہ خوف کہ اصلی خطرہ تو یہ ملک پاکستان ہے۔ یہاں علامہ اقبال کے افکار کے مطابق ریاست کا نقشہ بن گیا تو وہ مغرب کے نظام سرمایہ داری اور لادینی جمہوری نظام کے لئے موت کا پیغام ہوگا۔ یہی صورِ اسرافیل ہمیں اسلامی نظام قائم کرنے کے لئے دنیا میں پھونکنا ہوگا......کہ دین اسلام اور قرآنی تعلیمات کا یہ پیغام ہے......مزید کیا عرض کروں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے تمام کاموں میں خیر اور برکت

عطا فرمائے۔ دیگر قارئین حکمت بالغہ کی طرح میری دلی دُعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

2۔ محمد فیاض عادلؔ فاروقی ،لندن

حکمت بالغہ کے دسمبر 15ء تا فروری 16ء کے شمارے، قرآن اکیڈمی کے کتابچے اور خطوط ارسال کرنے کا شکریہ۔

ناچیز کے دیوان 'اشکِ گُل' پر جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کا دینی نکتۂ نظر سے مبسوط اور مدلل مضمون سہ ماہی 'اسباق' پونہ، انڈیا میں چھپ چکا ہے۔ اس سیر حاصل تبصرے کو بہت سراہا گیا ہے۔ تاہم 'اشکِ گُل' پر جناب حافظ مختار احمد گوندل صاحب کی طرف سے خالص ادبی انتقاد کا ابھی تک منتظر ہوں۔ ہمارے ادارے 'دارالادب' کی طرف سے پیش کردہ پہلی کتاب 'کربِ حیات' پر جس طرح حافظ گوندل صاحب نے مختصر لیکن جامع ادبی تنقید کی تھی اس سے بہت سے لوگ متاثر ہوئے جن میں خود مَیں بھی شامل ہوں۔ اس لئے درخواست ہے کہ حافظ گوندل صاحب چند سطور 'اشکِ گُل' پر بھی تحریر فرما کر ہماری ایک دیرینہ حسرت پوری کر دیں۔

رسائل کے باہم تبادلے کی روایت کے مدِ نظر امید ہے 'حکمتِ بالغہ' انڈیا میں اور 'اسباق' پاکستان میں پہنچنے کی راہ کھل جائے گی ان شاءاللہ۔ علاوہ ازیں دونوں جریدوں پر باہمی تبصرے ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کے لئے ضروری ہیں۔ مدیرِ 'اسباق' آپ کی طرف سے 'گوشۂ عادلؔ فاروقی' پر تاثراتی تبصرے کے منتظر ہیں۔ اس تبصرے کا طویل ہونا ضروری نہیں۔

'حکمتِ بالغہ' کے فروری ۲۰۱۶ کے شمارے میں میرے تاثرات کی اشاعت کے علاوہ میرے ایک قطعے کو مولانا عبدالماجد دریابادی کے خوبصورت مضمون کے ساتھ شائع کرنے پر حیرت انگیز خوشی ہوئی۔ میرے اس قطعے کو 'حسنِ ازلی کی حقیقت' کا عنوان دے کر آپ نے اپنے اعلیٰ ادبی و عارفانہ ذوق کا ثبوت بھی دیا ہے۔ مضمون میں سید اکبر حسین اکبرؔ الہ آبادی کے رنگِ تغزل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اکبرؔ الہ آبادی کو عام طور پر ایک طنز و مزاح نگار کی حیثیت سے جانا جاتا ہے لیکن ڈاکٹر اسرار احمد صاحبؒ کے جید مجلّہ 'میثاق' نے جب اس حقیقت سے پردہ اٹھایا کہ جنابِ اکبرؔ ایک منجھے ہوئے سنجیدہ شاعر اور علم و عرفان سے معمور ہستی بھی تھے تو مجھے ان کی کلیات پڑھ کر اس بات کا شدت سے قائل ہونا پڑا۔ جس طرح اکبرؔ الہ آبادی کے مزاحیہ کلام کو مقبولیت حاصل ہے اسی طرح

ان کے سنجیدہ کلام کو بھی تعارفِ عام دینے کی شدید ضرورت ہے۔

'فری میسنری' پر 'حکمتِ بالغہ' میں شامل تمام مضامین بہت چشم کشا ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں ابتدائی تحریریں یہاں لندن کے ہمارے نوجوان دوست کامران رعد صاحب نے تصنیف کیں جن میں سے ان کی انگریزی میں کتاب 'فری میسنز اینڈ دجال' انٹرنیٹ پر مشہور تقسیم کار 'ایمیزون (AMAZON) سے دستیاب ہے۔ اس کتاب کا اردو میں ترجمہ بھی پاکستان میں چھپ چکا ہے۔ اب کامران رعد صاحب ہمارے آن لائن ٹی وی سٹیشن 'مسیج ٹی وی' کو جاری رکھنے میں دن رات منہمک ہیں۔ آپ سے بھی درخواست ہے کہ اس آن لائن چینل کو خود بھی دیکھیں اور دوسروں کو بھی دیکھنے کی ترغیب دیں۔ فری میسنری کے موضوع پر دسمبر کے شمارے میں عبدالرشید ارشد صاحب کی تحریر 'امتِ مسلمہ پنجۂ یہود میں' پہلی قسط اور جنوری میں دوسری قسط بہت کارآمد مضامین ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

جنوری کے شمارے میں جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کا مضمون 'حالیہ مغربی تہذیب اور انگریزی زبان' تمام اہلِ علم کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ پس ورق پر شیخ سعدیؒ کے عربی اشعار پر آپ کی فارسی تضمین بھی آپ کے ادبی ذوق کی شاہد ہے۔ اسی شمارے میں سومنات کے گھر جونا گڑھ پر 'ندائے ملت' سے مستعار مضمون خاصے کی چیز ہے۔

جناب انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب کی ہمت کی داد دیتا ہوں کہ انجمن خدام القرآن، قرآن اکیڈمی اور تنظیمِ اسلامی کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ ایک ماہنامہ جاری رکھنے کے لئے وقت اور محنت نکال لیتے ہیں۔ اللہ آپ کی مساعی کو ہمکنارِ کامرانی فرمائے۔ آمین

3۔ علی طارق کنسلٹنٹ/ایڈیٹر اقبال بین الاقوامی ادارہ برائے تحقیق و مکالمہ
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت ''حکمت اقبال ہی نظریہ پاکستان ہے'' کی اشاعت پر دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔ خصوصی اشاعت کا مطالعہ کر کے غیر معمولی مسرت ہوئی۔ جناب نے جس عمدگی سے شروع سے لے کر آخر تک موضوع کے ساتھ انصاف کیا ہے وہ لائق تحسین ہے۔ اس شمارے میں آپ نے جس طرح زمنی ترتیب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے آغاز کر کے

پاکستان کے خواب وخیال سے لے کر اس کے قیام تک کے تمام مراحل کو عمدگی سے بیان کیا ہے، وہ ایک قاری کو فکرِ اقبال، پاکستان اور نظریۂ پاکستان سے بخوبی روشناسی کرواتا ہے۔ شمارے کی ایک خوبی اس میں جابجا اشعار کا اضافہ ہے جو ذکر کردہ مضمون کی وضاحت کے ساتھ ساتھ قاری کے نشاط میں اضافہ کا ذریعہ بھی بنتے ہیں۔ آج کے دور میں جب پاکستان اور نظریۂ پاکستان کے بارے میں بھانت بھانت کی بولیاں سننے کو مل رہی ہیں آپ کا اتنی وضاحت، تفصیل اور محنت کے ساتھ حکمت اقبال کی روشنی میں نظریہ پاکستان پر گفتگو کرنا دلی خوشی کا باعث بنا اور آپ کے لئے دل سے دُعائیں نکلیں، اللہ آپ کا سایۂ صحت وعافیت کے ساتھ قائم رکھے اور پاکستان، نظریہ پاکستان اور استحکامِ پاکستان کے لیے آپ کی علمی اور عملی کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین یاربّ العالمین بجاہ حبیک سیّدالمرسلینؐ

تعارف سہ ماہی المظاہر کوہاٹ

جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان، علمی، تحقیقی اور دعوتی مجلّہ

مدیر: محمد طفیل کوہاٹی

ملک بھر میں کئی دینی علمی وتحقیقی، تاریخی اور اصلاحی رسائل و جرائد ہفت روزہ، ماہانہ اور سہ ماہی بنیادوں پر شائع ہوتے ہیں اور ''ہر گلے را رنگ و بودیگر است'' کے مصداق ہر ایک کی الگ خوشبو اور رنگ ہے۔ انہی رسائل میں سہ ماہی عملی، تحقیقی اور دعوتی مجلّہ ''المظاھر'' بھی ہے جو جامعہ مظاہر علوم، پنڈی روڈ، کوہاٹ سے مفتی عنایت اللہ مدظلہ صاحب کی زیر سرپرستی شائع ہو رہا ہے۔ اس کی جلد ۲ کا شمارہ ۲ ہمارے پیش نظر ہے اس میں اہم عنوانات پر علمائے کرام کے تحقیقی مقالات ومضامین شائع کیے گئے ہیں مثلاً: نظم قرآنی: چند اہم مباحث (مولانا سمیع اللہ سعدی)، شاتم رسول کی سزا: کلاسیکی ذخیرہ اور عصری مغالطے (احمد فرہاد مظاہری)، عیسائیت کا نظریۂ خدا...... (مولانا انس حسان)، مولودِ کعبہ کی تعیین اور ایک غلطی کا ازالہ (مولانا راشد ڈسکوی)، مناظرہ: دینی مقام، تاریخی پس منظر اور علمی ذخیرہ (مولانا سجاد الحجابی) جسمانی سزا اور اس کی شرعی حدود (مولانا رحیم اللہ) ان عنوانات سے رسالہ ہٰذا میں شائع ہونے والے مضامین کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ قیمت فی شمارہ 50 روپے اور زرِ سالانہ 200 روپے ہے۔ برائے رابطہ: 0332-3009045۔

نظم فقر

از کلیاتِ اقبال (فارسی) پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق

سلسلہ وار 4

فقرِ قرآں اختسابِ ہست و بود نے رباب و مستی و رقص و سرود

قرآن کا فقر کائنات کا احتساب ہے، نہ کہ ساز و آواز، مستی اور رقص و سرور

فقرِ مومن چیست؟ تسخیر جہات بندہ از تاثیرِ او مولا صفات

مومن کا فقر کیا ہے؟ کائنات کو مسخر کرنا، اس کی تاثیر سے غلام میں آقا کی صفات پیدا ہو جاتی ہیں

فقرِ کافر خلوتِ دشت و درا ست فقرِ مومن لرزۂ بحر و بر است

کافر کا فقر جنگل اور بیابان میں جاڈیرہ جمانا ہے مومن کا فقر بحر و بر پر لرزہ طاری کر دینا ہے

زندگی آں را سکونِ غار و کوہ زندگی ایں را ز مرگِ باشکوہ!

اُس (فقر کافر) کیلئے غار اور پہاڑ کا سکون زندگی ہے، اِس (فقر مومن) کیلئے شاندار موت (شہادت) زندگی ہے

آں خدا را جُستن از ترکِ بدن ایں خودی را بر فسانِ حق زدن

وہ (فقر کافر) ترکِ بدن کر کے خدا کو ڈھونڈنا ہے، یہ (فقر مومن) اپنی خودی کو حق کی سان پر چڑھانا ہے

آں خودی را کشتن و واسوختن ایں خودی را چوں چراغ افروختن

وہ خودی کو مارنا اور جلانا ہے اور یہ خودی کو چراغ کی مانند روشن کرنا ہے

فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر از نہیبِ او بلرزد ماہ و مہر

جب فقر آسمان کے نیچے عریاں ہو جاتا ہے تو اس کے رُعب و ہیبت سے چاند اور سورج لرزتے ہیں

فقرِ عریاں گرمیٔ بدر و حنین فقرِ عریاں بانگ تکبیر حسینؓ

عریاں فقر بدر اور حنین کے معرکوں کی گرمی ہے عریاں فقر حضرت حسینؓ کی صدائے تکبیر ہے

فقر را تا ذوق عریانی نماند آں جلال اندر مسلمانی نماند

جب فقر میں عریانی کا ذوق باقی نہ رہا تو مسلمانی کے اندر جلال و دبدبہ بھی باقی نہ رہا

الحمدللہ

ماھنامہ

حکمت بالغہ

جھنگ

اشاعت کے 9 سال 9 خصوصی اشاعتیں

1	2007ء	حقیقت انسان نمبر
2	2008ء	حقیقت علم نمبر
3	2009ء	احیاء العلوم نمبر
4	2010ء	دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظامِ تعلیم نمبر
5	2011ء	حقوقِ نسواں نمبر
6	2012ء	یاجوج ماجوج نمبر
7	2013ء	خصوصی اشاعت: الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ
8	2014ء	خصوصی اشاعت: جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش......
9	2015ء	خصوصی اشاعت: حکمت اقبال ہی نظریۂ پاکستان ہے

خود مطالعہ کریں...........دوستوں کو تحفہ دیں...........محدود تعداد میں دستیاب ہیں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861-0336-6778561

اِنْ شَآءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز

حسب روایت 2016ء میں بھی

قرآن اکیڈمی جھنگ میں

25روزہ قرآن فہمی کورس کل وقتی

پھر سوئے حرم لے چل

تعطیلاتِ گرما کے دوران

مئی 2016ء اور جولائی 2016ء

13 مئی تا 3 جون 2016ء

جس میں ترجیحاً انٹرمیڈیٹ تعلیم کے حامل طلباء، کاروباری و ملازمت پیشہ اور بے روزگار حضرات شریک ہوسکتے ہیں تاکہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم سیکھ کر عملی زندگی میں باعمل مسلمان کی زندگی بسر کرسکیں۔

معلومات کے لیے 20 روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر بروشر مفت حاصل کریں

یا hikmatbaalgha@yahoo.com پر

بروشر کے حصول کے لیے درخواست ای میل کریں

اپنی فرصت کے مطابق بذریعہ فون یا ای میل نام رجسٹر کروائیں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ

047-7630861-0336-6778561